سرپرست:- مولانا ابوبکر اصلاحی صدر جامعۃ الفلاح

ماہنامہ حیات نو

بریں عقل و دانش بباید گریست

"کوئی شخصیت چاہے وہ کتنی ہی معروف و مشہور ہو خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب سے بڑھ کر محترم نہیں ہو سکتی بھٹو صاحب سے محبت و عقیدت کے اندھے مظاہروں میں قرآن مجید کی بیحرمتی، مسجدوں اور دینی کتابوں کو نذر آتش کرنے کے واقعات خود مسلمانوں کے ہاتھوں اس کثرت سے ہوئے ہیں کہ اس کا وبال خدانخواستہ پوری ملت پر نہ پڑے۔ بے گناہوں کا قتل، مال و املاک کی بربادی، دین کی بیحرمتی اور خواتین کی آبرو ریزی ایک ایسے مسئلے ہیں جس کا دور دور تک ہماری قومی زندگی سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا، ہماری بے دانشی، بے شعوری اور غلط جذباتیت کے وہ المناک مظاہر ہیں جن کی اصلاح و تدبیر ہر اس شخص پر فرض ہے جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان کی رمق اور انسانیت کا درد ہے۔" (اسحاق جلیس ندوی ایڈیٹر تعمیر حیات لکھنؤ)

انجمن طلبۂ قدیم
جامعۃ الفلاح - بلریا گنج - اعظم گڑھ
(یو-پی)

اس شمارہ کی قیمت ڈھائی روپے (۲/۵۰)

ماہنامہ حیات نو

جلد: ۲ شمارہ: ۵-۶

جمادی الاخری و رجب ۱۳۹۹ھ ہجری

مطابق

مئی جون ۱۹۷۹ء عیسوی

مجلس ادارت

انصار احمد فلاحی (بلریا گنج) (مدیر مسئول)

حمد اللہ فراہی فلاحی (علی گڑھ)

عبید الحی فلاحی (جامعہ ملیہ)

جاوید اشرف فلاحی (جامعۃ الفلاح)

عبید اللہ فہد (")

قیمت فی شمارہ: - ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

سالانہ زر تعاون: - پندرہ روپے ۱۵/-

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ

آئینۂ ترتیب!

۱- اپنی باتیں		
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے	ادارہ	۳
۲- ارشاداتِ رسول		
آپؐ نے فرمایا	انصار احمد فلاحی	۶
۳ قند و نمک		
مولانا علی میاں اور تحریک اسلامی	عبید اللہ فہد فلاحی	۹
یہ تصویریں ہیں تیری	دعوت دہلی	۳۲
عالم اسلام - تہذیب ارذو ہے کی لپیٹ میں	ڈاکٹر عبد اللہ عزام عمان یونیورسٹی	۳۲
یہ کس کا خون بہا؟	ساجد الحق شمسی	۸
۴ - مطالعۂ سیرت		
رسول اکرم - ایک عظیم سیاسی رہنما	اشتیاق دانش فلاحی	۲۹
۵ - ادب و ثقافت		
ادارۂ ادب متحرک ہو رہا ہے	نشور ادارۂ ادب	۴۱
ثقافت اسلامی کے درخشاں پہلو	احسان الحق فلاحی	۴۴
۶ - عالم اسلام		
ہلنے لگے ہیں بام و در	مزمل حسین فلاحی	۴۹
سید مودودی کا برقیہ	عالم اسلام کے نام	۳۰
۷ منظومات		
نذر شاعر	شبنم سبحانی	۶۱
غزل	"	۵۵
اردو - ایک حسینہ	منصف مبارکپوری	۳۸
۸ محبت نامہ ملا		
م۔ نسیم صاحب کا مکتوب سکریٹری انجمن کے نام	م۔ نسیم	۵۶
۹ فن کتابت		
خط نستعلیق	بدر جمال اصلاحی	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اپنی باتیں

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

ابھی پچھلے دنوں ملک میں سادہ لوح مسلمانوں نے کچھ اسلام دشمن پارٹیوں کی شہ پر بھٹو کی سزائے موت کو بہانہ بنا کر ملک کی ایک دینی و تحریکی جماعت کے خلاف جو کچھ کیا اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ ع

پھولوں کے لہو کے پیاسے ہیں اپنے ہی خس و خاشاکِ وطن

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا منظور احمد نعمانی نے ان دل خراش حادثات پر بڑے افسوس کا اظہار کیا ہے اور بڑے متوازن انداز میں ان دل دوز سازشوں کی مذمت کی۔ مولانا منظور نعمانی نے جماعت اسلامی کی بعض باتوں سے سخت اختلاف رکھتے ہوئے بھی لکھا کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو بہانہ بنا کر، خاصکر کشمیر میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ جو کچھ ہوا:-

رسول اللہ کا ایک امتی اور ایک انسان ہونے کی حیثیت میں میں اس کے بارے میں اپنے اس احساس و تاثر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ شقاوت و ناخدا ترسی کا بدترین مظاہرہ تھا۔ خدا کرے کہ اس کے بعد زندگی میں کبھی کوئی اور ایسا واقعہ سننے میں نہ آئے۔

(الفرقان ص۸ مئی ۱۹۷۹ء)

ملک کے بعض مسلم اخبارات نے ماحول کو کشیدہ اور متعفن بنانے میں جو رول ادا کیا ہے وہ ہم سب کی نظروں کے سامنے ہے، اب ایسے اخبارات اور رسالوں کی ضرورت شدت سے ابھر کر سامنے آچکی ہے جو پاکیزہ صحافت کے علمبردار ہوں، اخلاقی و روحانی اقتدار اور تعمیری سیاست پیش کرنے والے ہوں جو ملک کی تعمیر اور امت کی اصلاح کو پیش نظر رکھیں ساتھ

ہی ان کا لب ولہجہ، انداز بیان اور خبروں کی ترتیب کا طریقہ عوامی ہو تاکہ ملک کے عوامی اخبارات کا بھرپور مقابلہ کرتے ہوئے سیاست کو ستھری اور صحافت کو پاکیزہ بنا سکیں، ضرورت ہے کہ مسلم اربابِ دانش اور صحافی اور معنوی و روحانی اقدار کے علمبردار مصنفین اس جانب بھرپور توجہ دیں کہ اس کے بغیر اقامتِ دین کا کام صحیح طور سے نہیں ہو سکتا۔

"حیاتِ نو" کچھ اسی طرح کا مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے، یہ اسلام کی جامع تعلیم پیش کرنا چاہتا ہے، صحافت کو پاکیزہ اور مہذب بنانا چاہتا ہے، اسلام اور تحریکِ اسلامی کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنا چاہتا ہے، امید ہے کہ نظامِ اسلام اور تحریکِ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس کی توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں گے۔

جامِ جمشید مسلمانوں کے خون سے لبریز!

یہ بات کس قدر افسوسناک ہے اور تعجب انگیز بھی کہ ملک کے سارے ہی باشندے فسادات کے نقصانات سے واقف ہونے کے باوجود ان سے نہ صرف یہ کہ اپنا دامن نہیں بچاتے ہیں، بلکہ لسانی نسلی اور فرقہ وارانہ فسادات کا موجب بنتے رہتے اور وقتاً فوقتاً فسادات کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں علی گڑھ، سنبھل اور کشمیر کی تخریب و انتشار کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور دلوں کے زخم ابھی بھرنے بھی نہ پائے تھے کہ جمشید پور میں اہنسا کے علمبرداروں نے مسلمانوں کے خون سے پھر مہندی لگائی اور ان کی عزت و آبرو کے دشمن بن کر ظلم و بربریت کے عریاں رقص کا تماشہ پیش کیا اور احمد آباد اور جبل پور کے خونیں اور دل دوز داستان کے ورق الٹ دئے۔

اس جگہ خراش حادثہ کے اسباب و محرکات کیا تھے اس سے قطع نظر ہم اس دردناک حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ علی گڑھ اور سنبھل کے حادثات کے بعد بھی اردو اخبارات نے اپنے کالم کے کالم سیاہ کر ڈالے، مسلمانوں کے اکابر اور ان کی جماعتوں نے قرار دادوں اور یادداشتوں کی بھرمار کر دی اور ملک کے کرتا دھرتا بھی چوکنا دکھائی دئے لیکن یہ جوش و خروش، غم و غصہ اور ہمدردی کی ساری ادائیں کچھ دنوں کے بعد دب گئیں اور اس طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی کہ اسباب و محرکات کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جاتا، اس کے انسداد کی تدبیریں بتائی جاتیں اور ایک منظم فکر کے تحت ان پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی جاتی، اس لئے ہمیں اندیشہ ہے کہ اس مرتبہ پھر ماتم پرسی اور مرثیہ خوانی کے بعد ملت کے دانشوروں پر سکوت اور ناعاقبت اندیشی نہ چھا جائے، اس لئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ملک و ملت کے غور و فکر کیلئے چند سنجیدہ اور مخلصانہ تدبیریں پیش کر دیں کیا عجب کہ

انھیں میں اس موذی مرض کا علاج موجود ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ ماضی کی کچھ خطرناک غلطیوں اور چند مسلم رہنماؤں کی قوم پرستی سے ہمارے غیر مسلم بھائیوں کے ذہنوں میں ہمارے متعلق اور خود اسلام کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات جڑ پکڑ چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان ساری غلط فہمیوں کو دور کرنے کی باقاعدہ مہم چلائی جائے، ان کے ذہنوں میں اسلام کا صحیح تصور بٹھایا جائے، انھیں قرآن کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، اسلام کو ساری انسانیت کے مسائل کا واحد حل اور دنیوی و اخروی کامیابیوں کا واحد طریقہ سمجھایا جائے۔ دلائل و براہین کی مدد سے اسلام کی حقانیت ان پر واضح کیا جائے۔

غیر مسلم بھائیوں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یگانگت اور اخوت و بھائی چارگی کی فضا پیدا کرنے کیلئے گاہے گاہے سمپوزیم و سیمینار منعقد کئے جائیں۔ سماج کے سدھار اور ملک کی تعمیر کے لئے باہم یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

مسلمان اپنا دینی و اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوئے خدمت خلق اور مرمت و مواسات کے کام بلا لحاظ مذہب و ملت ہندوؤں میں انجام دیں تو وہ ان کے دلوں کو بڑی آسانی سے فتح کرلیں گے۔ کردار کی بلندی ان کے اندر انسانیت اور محبت کے جذبات پیدا کر سکتی ہے۔

مسلمان اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت و مدافعت ایمان کا تقاضا سمجھتے ہوئے کریں، بزدلوں کی موت مرنے کے بجائے شہادت کو ترجیح دیں، اپنے اندر ایمانی جرأت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اس سے بھی انشاء اللہ فسادات کے سدباب میں مدد ملے گی۔

ضرورت ہے کہ اکابرین ملت سر جوڑ کر بیٹھیں اور خدا کی رضا کے حصول، اعلائے کلمۃ اللہ، ملت کے تحفظ اور تعمیر انسانیت کی خاطر اپنے فروعی و جزئی اختلافات کو ختم کرکے اسلامی اجتماعیت اپنی صفوں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ایسا وہ کرلیں تو دنیا کی کوئی بھی طاقت انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ملکی پریس کو پاکیزہ اور مہذب بنانے کی کوشش کی جائے۔ خاص طور سے ہندی و انگریزی اخبارات کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ فرقہ وارانہ خبروں کو ہرگز نہ شائع کریں بلکہ ملک کے افراد میں باہم اخوت و انسانیت کی فضا پیدا کرنے میں وہ ممد و معاون ثابت ہوں۔

دین کو سیاست سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے سیاست میں حصہ لینا ناگزیر ہے۔ البتہ منفی و سلبی سیاست کے بجائے ایجابی، تعمیری اور مقصدی سیاست ہمارے پیش نظر ہو یعنی سیاست میں ہم حصہ اس لئے لیں تاکہ اس موثر ذریعہ کو ہم اپنا کر برادران وطن کو ان کے مالک و خالق کے احکام و پیغام سے روشناس کرائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا پرستی، انسانیت دوستی اور کردار کی بلندی کی بنیاد پر اٹھائی جانے والی سیاست کی قدر کی جائے گی

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے

اگر مندرجہ بالا تدابیر اپنائی جائیں تو امید ہے کہ فسادات کی روک تھام بہت کچھ ہو سکے گی۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

حالیہ انتخابات کے موقع پر موجودہ برسر اقتدار پارٹی نے مسلمانوں کو بار بار یقین دہانی کرائی تھی کہ یونیورسٹی کا نیا ایکٹ مسلمانوں کی امنگوں کے عین مطابق ہوگا یعنی اس کا اقلیتی کردار (Minority character) بحال کر دیا جائے گا اور دستور کی دفعہ ۳۰ کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن حکومت نے اس ایکٹ کو تسلیم نہ کر کے مسلمانوں کی ساری تمناؤں کا خون کر دیا۔ اس نے ایکٹ میں کچھ ایسی ترمیمات ضرور کیں جو اندرا عہد کے ایکٹ … کے مقابلے میں بہتر تھیں، حکومت اگر مخلص ہوتی تو اس راستے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ حائل نہ ہو سکتا تھا، پارلیمنٹ بہرحال ایسے قوانین بنانے کا مجاز ہے جن سے سپریم کورٹ کے فیصلے غیر موثر ہو سکتے ہیں۔ مسلمان حکومت سے کسی فراخدلانہ فیصلہ کی توقع تو نہیں رکھتے ہیں، لیکن وہ اپنے جائز حقوق سے آسانی سے دست بردار بھی نہیں ہو سکتے۔

۹ مئی کو طلبہ یونین علی گڑھ نے دہلی میں ایک مظاہرے کا پروگرام بنایا لیکن بذریعہ ٹرین علی گڑھ سے دہلی جانے والے پانچ سو طلبہ کے ایک قافلے پر دہلی سے بیس میل دور دادری اسٹیشن پر … ذرا آگے جب حملے کئے گئے، ٹرین روک کر ان کی گھڑیاں اتار لی گئیں، کپڑے پھاڑ دیئے گئے اور یہ کہہ کر کہ دہلی میں کیا دھرا ہے ہم تم کو یہیں مائنارٹی کیریکٹر (اقلیتی کردار) دلواتے ہیں، ان پر پل پڑے، انھیں بری طرح زدوکوب کیا، لاٹھی چارج بھی ہوا۔ ان میں سے کئی ایک بے ہوش بھی ہو گئے، لیکن نہتے طلبہ نے کوئی مدافعتی کارروائی نہ کی، پھر جب یہ طلبہ علیگڑھ واپس ہوئے تو کیمپس میں پی اے سی تعینات تھی، قاعدے کی بات تھی، طلبہ نے پولیس ہٹانے کا مطالبہ کیا لیکن یہاں بھی حکومت کی غیر دانشمندانہ پالیسی آڑے آئی طلبہ اور پولیس میں ٹکراؤ ہوا اور تقریباً پانچ طلبہ جاں بحق اور بہت سے زخمی ہوئے پھر طلبہ کو ہوسٹل چھوڑنے اور یونیورسٹی بند کرنے کا قابل مذمت پروگرام عمل میں آیا۔

یہ سب واقعات ایسے ہیں جن سے جمہوریت و سیکولرزم کو ٹھیس آرہی ہوگی۔ اقلیتوں کا تحفظ اور ان کی مذہبی، ملی اور تہذیبی و تعلیمی آزادی نہ صرف یہ کہ ملک کے ایک قابل اعتبار طبقے کے حق میں مفید و موثر ہے بلکہ ملک کی ترقی و بقا کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔ ساتھ ہی یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے ذمہ داروں سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ صرف اقلیتی کردار بحال کرنے کیلئے ہی جدوجہد نہ کریں بلکہ یونیورسٹی میں اخلاقی و روحانی قدروں کی بازیابی اور طلبہ میں تابعی صفت پیدا کرنے پر بھی زور دیں۔ دنیا جانتی ہے کہ سرسید مرحوم کی منشا بھی یہی تھی۔ ع

عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

انصار احمد فلاحی
سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

اُسؐ نے فرمایا

جس کا ہر قول و فعل سند اور حجت ہے!

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ "میں ایک روز نبیؐ کے پیچھے پیچھے تھا کہ آپؐ نے فرمایا لے لڑکے چند باتیں میں تجھے سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا — اس پر اپنی نظر جمائے رکھ، تو اسے سامنے پائے گا — جب تو کچھ مانگے تو اللہ ہی سے مانگ — اور جب تو مدد کے لئے پکارے تو اللہ ہی کو پکار! — اور خوب جان لے کہ اگر تمام کے تمام لوگ تجھے کوئی فائدہ پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو بھی بجز اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے قطعاً کوئی فائدہ تجھے نہیں پہنچا سکتے اور خوب سمجھ لے کہ اگر وہ تجھے کوئی نقصان پہنچانے کا متفقہ فیصلہ کر لیں تو بھی بجز اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے ہرگز کوئی نقصان تجھے نہیں پہنچا سکتے! — قلم اٹھا لئے گئے اور رجسٹروں کی سیاہی خشک ہو چکی!"

کچھ سیکھتے چلیں!

- یہ روایت بتاتی ہے کہ حضور کریمؐ اپنے پیارے ساتھیوں کی تربیت کا نہایت درجہ اہتمام فرماتے تھے دعوت دین کے داعیوں کو آج اسی تربیت کی ضرورت
- آدمی کا نفع نقصان سب خدائے قہار کے ہاتھ ہے، ان کٹھ پتلیوں کے نہیں جن کی چلت پھرت کم نظروں کو مرعوب کر دیتی ہے
- مومن کی ساری سرگرمیاں تعلق باللہ سے مربوط ہیں
- اندیشۂ سود و زیاں سے بالاتر ہو کر حق و صداقت

راہ پر گامزن ہو جانا ہی شانِ مردانگی ہے۔

★ ★ ★

حضرت ابو ہریرہؓ کی رپورٹ ہے کہ:۔
اللہ کے رسولؐ نے پوچھا "کیا تم جانتے ہو، کنگال کون ہے؟"
لوگوں نے جواب دیا "ہم میں سے کنگال وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور سازوسامان نہ ہو۔"
آپؐ نے فرمایا:۔ "اصل کنگال وہ ہے جو قیامت کے دن اپنے ساتھ نمازیں اور روزے لے کر آئے گا، لیکن اس حال میں آئے گا کہ اس نے کسی کو گالی دی تھی، کسی پر بہتان باندھا تھا، کسی کا مال مار کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا اور کسی کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی نیکیوں میں سے کچھ ایک کو دے دی جائیں گی، کچھ دوسرے کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کے ذمے کا حساب چکنے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر ان مظلوموں سے ان کے گناہ لے کر اس کے اوپر لاد دیے جائیں گے اور پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"

عبرت پذیری

روایت بتاتی ہے کہ:۔

- اخروی افلاس سے بچنے کی فکر دنیوی افلاس سے بچنے کی فکر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہونی چاہئے۔
- حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی بہت ضروری ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کی ساری متاع (عملِ صالح) برباد ہو جائے گی۔
- مومن کی مجموعی زندگی صالح ہونی چاہئے۔ انفرادی زندگی کی صالحیت ناکافی ہے۔
- قیامت کا دن آ کر رہے گا اور آدمی اپنے سارے کرتوتوں کا بدلہ پا کر رہے گا۔

— کیا علم و حکمت کی یہ موتیاں قابلِ غور زندگی میں ٹانکنے کے لئے نہیں ہیں؟
— کیا دورِ جدید کا انسان ان سے اپنی زندگی کا صحیح رخ متعین نہیں کر سکتا ہے؟
— ایک آئیڈیل سوسائٹی مندرجہ بالا اصولوں پر عمل کئے بغیر بھی وجود میں آ سکتی ہے؟

✣ ✣ ✣

یہ کس کا خوں بہا؟

محترم مدیر صاحب حیاتِ نو! السلام علیکم۔

اس عریضے کے ساتھ ایک کتابچہ "یہ کس کا خون بہا؟" منسلک ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اسے اپنے مؤقر جریدے کی کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے کشمیر میں ہونے والے مظالم کے خلاف رائے عامہ بیدار کرنے میں ہمارا تعاون فرمائیں گے۔ بہت بہت شکریہ۔ والسلام

نیاز کیش
ساجد الحق شمسی
سکریٹری اسلامک یوتھ آرگنائزیشن
رام پور۔ یوپی

اگر اسلامیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اپریل ۷۹ء کے شروع میں ہندوستانی مسلمانوں کو دو انتہائی رنج دہ واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان میں سے ایک جمشید پور کا فساد ہے جس نے تباہی، بربادی، قتل و غارت گری اور بربریت کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں اور دوسرا واقعہ ریاست کشمیر میں وسیع پیمانہ پر بھائیوں کے ہاتھوں بھائیوں کی تباہی ہے۔ ان میں اگر پہلا واقعہ انتہائی اشتعال انگیز ہے تو دوسرا سانحہ انتہائی شرمناک بھی ہے۔

جہاں تک جمشید پور کے واقعات کا سوال ہے وہ ہندوستانی مسلمانوں کی خون آلود تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ ہے۔ آزادی کے بعد سے مسلمان برابر سازشوں کا شکار رہیں، گذشتہ تیس برسوں سے یہ کہانی بالکل یکساں انداز میں دہرائی جا رہی ہے۔ ہر فساد کے بعد کچھ بیانات آ جاتے ہیں، کچھ تجاویز پاس ہو جاتی ہیں۔ اپوزیشن پارٹیاں اسے برسرِ اقتدار طبقہ کے خلاف ایک انتخابی حربہ بنا لیتی ہیں۔ اور

(بقیہ صفحہ ۶۳ پر)

آخری قسط

عبیداللہ فہد فلاحی

مولانا علی میاں اور تحریک اسلامی

شرک فی العبادۃ کا مفہوم

مولانا مودودی نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں "الٰہ" پر بحث کرتے ہوئے شرک کی حقیقت واضح کی ہے اور بتایا ہے کہ:-

"اقتدار اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضا یہ ہے کہ حاکمیت و فرماں روائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدر اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں، اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے، جب رازق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظام کائنات کا مدبر و منتظم وہ ہے اور تدبیر و انتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں تو یقیناً حاکم و آمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہئے اور اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا فریاد رس اور حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خود مختار، فرمانروا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی، احیاء اور اماتت، تسخیر شمس و قمر اور تکویر لیل و نہار، قضا اور قدر، حکم اور بادشاہی، امر اور تشریع سب ایک ہی کلی اقتدار و حاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار و حاکمیت ناقابل تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا ایک غیر اللہ سے دعا مانگنے والا شرک کرتا ہے اور اگر کوئی شخص سیاسی معنی میں مالک الملک اور مقتدر اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے

کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبیعی معنی میں کسی کا یہ کہنا کہ تمہارا ولی و کارساز اور مددگار و محافظ میں ہوں اسی لئے جہاں خلق اور تقدیر اشیا اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں ... لہُ الملک اور لم یکن لہُ شریکٌ فی الملک بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ الوہیت کے مفہوم میں بادشاہی و حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے۔"

ص ۳۷ - ۳۸

یہ ہے مولانا مودودی کی وہ عبارت جس سے مولانا علی میاں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی اصل توجہ سیاسی اطاعت اور اقتدار اعلیٰ تسلیم کرانے پر مبذول کی ہے اور انھیں خطرہ ہے کہ :-

"جن لوگوں کا مطالعہ انھیں مضامین اور تحریروں تک محدود ہوگا اور جو اسی ماحول میں ذہنی و فکری نشو و نما حاصل کریں گے تدریجاً ان کی نظر اسی اشراک فی الحکم کی اولیت و اہمیت پر جا گزیں ہو جائے گی اور اگر دوسرے عوامل و مؤثرات تربیت و تعلیم نہیں رہے تو اشراک فی العبادت اور مابعد الطبیعاتی طور پر کسی کو لائق عبادت و استعانت، تضرع و دعا، سجدہ اور ان چیزوں کا جو نہایت تعظیم کا مظہر ہیں، مستحق سمجھنے کی شناعت اور اس کی نفرت کم ہو جائیگی وہ سمجھنے لگیں گے کہ یہ قدیم دور جاہلیت کی خصوصیات تھیں جب عقل انسانی اپنے دور طفولیت میں تھی، علم و تمدن ابتدائی منزل پر تھے، اب زمانہ ترقی کر گیا ہے اب اس پر توجہ کرنا اس کی تردید و ازالہ کے درپے ہونا اور اس کے مقابلے میں صف آرائی قوت اور وقت کی اضاعت اور اہم کو چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہونے کے مرادف ہے۔"

یہ ہے وہ مفروضہ جو مولانا علی میاں نے مولانا مودودی کی مندرجہ بالا عبارت کو دیکھ کر قائم کیا ہے قطع نظر اس کے کہ شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاطاعۃ میں کوئی فرق ہے یا دونوں یکساں ہیں، آیئے ہم یہ دیکھیں کہ آیا واقعی اس عبارت سے یہ خطرہ سامنے آتا ہے اور اشراک فی العبادۃ کی حیثیت کم ہو جاتی ہے یا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی صاحب نظر چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ کسی معاملہ کے دو پہلوؤں میں سے ایک کی حیثیت بڑھا دینے سے دوسرے کی اہمیت اور افادیت میں کوئی کمی نہیں آتی یعنی ایک کی تعریف و توصیف اور مدح و ستائش دوسرے کی تذمیم و تقبیح کو مستلزم نہیں۔ مثلاً جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زید اور احمد دونوں سگے بھائی ہیں اور زید شجاعت میں یکتا اور ذہانت میں بے مثل ہے تو ہمارے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ احمد میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں یا اس میں کم پائی جاتی ہیں، بلکہ ہمارا مقصود بس زید کی شجاعت و ذہانت کا اعتراف کرنا اور اس کی ہمت افزائی کرنا ہوتا ہے، حضور کریمؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی توصیف کی

ان کے صدق و وفا اور ایمان و اخلاص کی تعریف کی ہے راہِ حق میں ان کی قربانیوں اور ان کی بہترین رفاقت کو سراہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا ایمان تولا جائے تو ابوبکر کا پلڑا جھک جائے گا "ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی خوبیاں گناتے ہوئے فرمایا کہ ابوبکر میں اتنی خوبیاں ہیں جتنے آسمان پر تارے ہیں، تو اس سے آپ کا منشاء (نعوذ باللہ) حضرت عمر اور دوسرے صحابہ کی تنقیص نہیں یا ان کی اہمیت کم کرنا نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے مواقع پر آپؐ نے دوسرے صحابہؓ کرامؓ کی تعریف کی ہے۔ خود حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا ہے کہ عمر کے سائے سے شیطان بھاگتا ہے" اور میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے اور ان کی غیرت دینیت اور اسلامی تڑپ کی منقبت فرمائی ہے حضرت عثمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ عثمان بہت حیا والے ہیں، فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔ اسی طرح فقر ابوذر، صدق سلمان وغیرہ کی بھی موقع بموقع تعریف فرمائی ہے تو نعوذ باللہ اگر ہم اس سے ایک کی تعریف کو دوسرے کی تنقیص یا اس کی اہمیت کی کمی کا موجب مان لیں تو درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ صحابہؓ کی ایک دوسرے پر فضیلت کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ مثلاً

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللّٰهِ حَيٌّ أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ بَعْدَهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رضی (ابو داؤد باب فی التفضیل)

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں کہا کرتے تھے کہ امت کے افضل ترین شخص نبی ﷺ ہیں پھر ابوبکر، پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم

عثمان بن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ۔

كُنَّا نَقُولُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ ۔ (ایضاً)

ہم نبی ﷺ کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ ہم ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں ٹھہرا سکتے پھر عمرؓ کے برابر پھر عثمان کے برابر اس کے بعد ہم اصحاب نبی کے درمیان کسی قسم کی فضیلت قائم نہیں کرتے۔

ان احادیث پر صاحب مرقات نے جو حاشیہ درج کیا ہے وہ ملاحظہ ہو، انھوں نے حضرت علی کا تذکرہ نہ ہونے کی وجہ بتائی فرماتے ہیں: ۔

وَجْهُ ذٰلِكَ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ أَمْرًا شَاوَرَهُمْ فِيهِ وَكَانَ عَلِيٌّ فِي زَمَنِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَدِيثَ السِّنِّ وَفَضْلُهُ لَا يُنْكِرُهُ ابْنُ عُمَرَ وَلَا غَيْرُهُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَذَا فِي الْمِرْقَاةِ (تعلیق ابوداؤد)

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انہوں نے کسی ایسے معاملہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں ان سے آپؐ نے مشورہ طلب فرمایا تھا اور علی اس وقت کم عمر تھے ان کی فضیلت سے ابن عمر یا کسی بھی صحابی کو مجالِ انکار نہیں

معلوم ہوا کہ اگر کسی کی تعریف کی جائے تو دوسرے کی تنقیص یا اس کی حیثیت کو گھٹانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ موقع کے تقاضا کے تحت بس ایک کی تعریف و توصیف

مقصود و مطلوب ہوتی ہے۔

آنحضور ﷺ کے ارشادات پر نظر دوڑائیے، آپ نے کہیں جہاد کو دین کی چوٹی (ذُرْوَةُ سَنَامِهٖ) کہا ہے اور دین کی راہ میں لڑنے اور جد و جہد کرنے کو اسلام و ایمان کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ کہیں آپ نے بہتر اسلام کی تعریف کھانا کھلانے اور شناسا و غیر شناسا سے سلام کرنے سے کی ہے (اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ) کہیں آپ نے محض لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کو جنت میں جانے کیلئے کافی کہا (مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ) اور کہیں جنت کو بہت ہی خار زار اور مصائب سے پر کہا ہے (حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ) کہیں ایمان کی تعریف صبر و سماحت سے کی ہے (عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ) کہیں امانت داری کو ایمان کی علامت کہا ہے (لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ) کہیں دشمنی اور دوستی کو اللہ کے لئے خالص کرنے کو ایمان و یقین کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے (مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ) اور کہیں اپنی جملہ خواہشات و میلانات کو رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے تابع کرنے کا حکم دیا ہے (لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)

غرضیکہ ایک ہی چیز کی تعریف آپ ﷺ نے مختلف انداز سے اور مختلف الفاظ میں فرمائی ہے، کہیں جزو دین کو کل دین کہا ہے اور کہیں فروعات پر اتنی تاکید کی ہے کہ وہی اصل دین معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مخاطب کی نفسیات، ماحول اور حالات کے تقاضے کو سامنے رکھ کر مختلف انداز سے گفتگو کی ہے۔ جہاں آپ نے عبادت پر زور دینے کی ضرورت محسوس کی ہے وہاں عبادات کی اہمیت اتنے زوردار طریقے سے بیان کی ہے کہ وہی سب کچھ نظر آنے لگتے ہیں اور ان احادیث کا مطالعہ کرنے والا (اگر اس کی نظر تمام احادیث پر نہیں ہے) یہ سمجھ لیتا ہے کہ بس عبادت میں مشغول ہو جائیے کار دنیا سے پہلو تہی کر لیجئے سارے مسائل حل ہو جائیں گے اور کہیں آپ نے جہاد پر اتنا زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت پر اتنے موثر انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر جہاد کے ساری عبادتیں بے سود ہیں، کہیں اخلاقیات پر اتنا زور ہے کہ قانونی نقطہ نظر سامنے سے ہٹ جاتا ہے اور ان کا مطالعہ کرنے والا ایک گال پر مار کھانے کے بعد دوسرے گال کو بھی پیش کر دینے کو شریعت کا عین تقاضا سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے، دین ایک مکمل نظام حیات ہے جس میں زندگی کے سارے گوشوں کی رہنمائی اور سارے مسائل کا حل پورے اعتدال و توازن کے ساتھ موجود ہے، یہاں نہ تو کسی گوشہ میں افراط ہے نہ تفریط ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک مورخ کی حیثیت سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے بے حد عقیدت مند ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھوں نے جہاد کے لئے جو جماعت تیار کی تھی وہ اخلاص، ایمان و کردار میں جامعیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ سیرت احمد شہیدؒ کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

"صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں صحابہؓ کے نمونے تھے، ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر مرنے اور جینے والے، بدعت سے نفور، شرک کے دشمن، جہاد کے نشہ سے سرشار، متقی اور عبادت گذار اور بڑی بات یہ کہ ہم رنگ و یک آہنگ۔ تاریخ ا... میں ایک جگہ اتنی بڑی تعداد میں اس یکجہتی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہؓ و تابعین کے بعد مشکل سے ملے گی"

یہی سید احمد شہیدؒ اپنے مواعظ میں جہاد پر اتنا زور دیتے تھے کہ اس کو نماز اور روزے سے بھی افضل قرار دیتے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں رفقاء کی جانب سے یا بعض پیش کی گئی کہ جنگی فنون کی مشق سے ذکر و شغل کا انہماک باقی نہیں رہا تو آپ نے فرمایا :-

"جہاد فی سبیل اللہ کے سامنے حال دل کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ علم سلوک جہاد کے تابع ہے، اگر کوئی تمام دن روزے رکھے، تمام رات زہد و ریاضت میں بسر کرے یہاں تک کہ نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک ساعت دن یا رات کو بھی تکلیف اٹھائے تاکہ مقابلۂ کفار میں بندوق لگاتے وقت آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے مرتبہ کو ہرگز نہیں پہنچے گا"

(سیرت احمد شہیدؒ مولانا غلام رسول مہر ص ۲۳۱)

سید صاحب ہر وقت بدن پر بندوق تلوار لگائے رہتے تھے، ایک مرتبہ ان کے ایک عقیدت مند عبداللہ باقی قندھاری نے بڑے ادب سے کہا، حضرت! یہ تلوار اور بندوق ہر وقت باندھے رکھنا آپ کو زیب نہیں دیتا، یہ اسباب جاہلیت ہیں، یہ سنتے ہی سید صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا :-

"خان صاحب

اگر آپ سوچیں تو یہی کافی ہے کہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو زینت فرمائے تاکہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں، خصوصاً ہمارے حضرت محمدﷺ نے بھی [illegible] سے کام لے کر تمام اشرار کو زیر کیا تھا آپ نے ایسا کلمہ زبان سے نکالا کہ خدا کے بھی گنہگار ہوئے اور اپنا بھی نقصان کیا" (حوالہ بالا ص ۱۶۵)

تو گویا زمین پر اتنا سب کچھ کٹنے والا یہ دیوانہ دین کی غلط تعبیر کا مرتکب ہو رہا تھا؟

داعئ دین مولانا محمد الیاس رح کی عملی جد وجہد اشاعت اسلام کے سلسلے میں آپ کی دوڑ دھوپ، اخلاص و للّٰہیت اور تبلیغ اسلام کی کوششوں سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے، مولانا علی میاں نے آپ کی دینی دعوت کا مکمل تعارف کرانے کے لئے "حضرت مولانا محمد الیاس رح اور ان کی دینی دعوت" نامی کتاب بھی تصنیف کی ہے' آپ حضرت مولانا رح کے بے حد عقیدت مند اور آپ کی سرگرمیوں اور کارناموں کے بے حد مداح ہیں

مولانا الیاس رح کہیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اقامت دین کی اہمیت و ضرورت لتفنی پر زور الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ اوراد و وظائف اور عبادات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے - ایک جگہ نہایت واشگاف انداز میں لکھتے ہیں، اس مرد درویش کی زبان ملاحظہ ہو۔

"میرے حضرت! یہ وظیفہ وظائف اور یہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں اور دین کی لائن کی ہر چیز درحقیقت ایمان کی پگڈنڈیاں اور اس کے پھول پتے ہیں، جو لنا درخت اپنی جڑ سے سوکھ چکا ہو، اس کے پھول پتوں میں شادابی کہاں سے ہو سکتی ہے؟ اس واسطے اس ہیچ ناچیز کے نزدیک اس دنیا میں نہ دعا کارگر ہے نہ کوئی عمل، نہ وظیفہ بار آور ہے اور نہ کسی کی دعا اور ہمت کارآمد ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دین کے فروغ کی کوشش ترک ہو چکی ہوگی جس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں، اس وقت دعاؤں میں رو رو کر رات گزارنے والوں کی دعا مقبول نہیں ہونے کی، ابواب رحمت بند ہو چکے ہوں گے، ابواب رحمت کھلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی، مسلم کا فروغ اسلام کے فروغ کی کوشش میں لگنے کے اندر کے علاوہ ہرگز متصور نہیں حق عز جل نے مومن کے ساتھ رحمت کے ساتھ توجہ کرنے اور کرم و الطاف کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارادہ فرمت اسی وقت قرار دیا ہے کہ جب وہ اسلام کے فروغ میں اپنی سعی صرف کر رہا ہو"

(حضرت مولانا محمد الیاس رح اور ان کی دینی دعوت ص ۲۶۱)

کیا حضرت مولانا محمد الیاس بھی دین کی غلط تعبیر کے مرتکب تھے؟

یہی وہ انداز بیان ہے جسے مولانا مودودی نے اختیار کیا ہے اور جس کا مطالعہ کرنے والا اگر اس کی نظر مولانا کے پورے تحریری ذخیرے پر نہیں ہے، ایک نظر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور شکایت کرنے لگتا ہے کہ مولانا نے تو فلاں پہلو کی اہمیت ختم کر دی ہے یا گھٹا دی ہے اور فلاں پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دیا ہے، مثال کے طور پر یہی "شرک فی العبادۃ" اور "شرک فی الاطاعۃ" کا مسئلہ زیر بحث ہے چونکہ شرک فی العبادۃ کا واضح خاکہ لوگوں کے ذہنوں میں موجود تھا، اس موضوع پر لٹریچر کا اچھا خاصا ذخیرہ فراہم تھا اور علماء کو چھوڑ کر عوام بھی اکثر تحقیقی لحاظ سے ایک

بدعت اور شرک کو سمجھتے تھے اور اس سے نفرت کرتے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے اس پہلو پر زور دینے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی، لیکن جہاں تک شرک فی الاطاعۃ کا مسئلہ ہے تو یہ عوام تو کجا بہت سے علماء کے ذہنوں سے بھی مخفی تھا، وہ بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس شرک میں مبتلا تھے، ایک طرف وہ عبادت و ریاضت کی منزلیں طے کرتے اور انابت و معرفت کی چوٹیاں سر کرنے میں مصروف تھے، اخلاق و کردار کی بحالی اور عبادات مشروطہ کی زندگی میں روح پھونکنے کی کوشش کر رہے تھے، سیرت کے جلسوں، پند و وعظ کی مجلسوں، شعلہ بیان خطیبوں اور مقالہ نگاروں کی مدد سے مسلمانوں میں اخلاقی اسپرٹ پیدا کرنے کی کوشش فرما رہے تھے تو دوسری طرف وہ شرک و کفر کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے اور انھیں اس کا احساس تک نہ تھا، غیر اللہ کی حاکمیت و فرماں روائی کو تسلیم کر چکے تھے اور اپنی اس زندگی پر قانع بھی تھے، طاغوت کی اطاعت بھی ہو رہی تھی اور اپنی اولاد کو مسٹر اور میم صاحب بنا رہے تھے کمیونزم اور سوشلزم کو نظام حیات تسلیم کر رہے تھے، وطنیت اور قومیت جیسے غیر اسلامی تصورات سے چپکے ہوئے تھے اور اس کے فروغ کے لئے کوشاں تھے انھیں ہندوستان میں صرف سجدے کی اجازت تھی اور وہ اپنی نادانی سے پورے اسلام کو آزاد سمجھ رہے تھے اور یہ سب کچھ نتیجہ تھا شرک فی الاطاعۃ کا مفہوم نہ سمجھنے کا، اپنی زندگیوں سے خدا کی اطاعت و فرماں روائی کا تصور نکال دینے کا اور عبادت کو مسجدوں میں محدود کر دینے اور شرک کو نذر و نیاز اور منت ماننے دوسروں سے مدد چاہنے اور ان کو پکارنے تک محصور کر دینے کا، خدا بھلا کرے اس مرد حق کا، اس نے وقت کی نزاکت کو سمجھا، مسلمانوں کے الحاد و بے دینی کا مشاہدہ کیا، ان کی دین سے لاپرواہی اور غفلت کا پتہ لگانے کی کوشش کی تو اس نے محسوس کیا کہ خدا کی اطاعت اور فرماں روائی کا تصور ذہنوں سے محو ہو چکا ہے، لوگ خدا کے اقتدار اعلیٰ اور اس کی حاکمیت کو فراموش کر چکے ہیں، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں جن پر پورے قرآن بلکہ پوری شریعت کے فہم کا دارومدار تھا، لوگوں کے ذہنوں سے ان کا اصل مفہوم ہٹ گیا ہے، جس کی وجہ سے ملحد و بے دین مسلمان تو کجا، مخلص اور دیندار مسلمان بھی نادانی کی وجہ سے خدا کی حاکمیت کو بھلا کر غیر اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں اور خدا کی فرماں روائی کے بجائے طاغوت کی فرماں روائی تسلیم کر چکے ہیں، اس نے اس عظیم ذمہ داری کو اپنے دوش ناتواں پر اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور پھر خدا کی حاکمیت و فرمانروائی اس کے اقتدار اعلیٰ، اس کی اطاعت و تابعداری کا مفہوم اتنے مدلل انداز میں پیش کیا کہ طاغوت کے بام و در ہلنے لگے، غیر اللہ کی سلطنت میں بھونچال آگیا کمیونزم اور سوشلزم کی ہوا اکھڑنے لگی اور اللہ کی حاکمیت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہونے لگا اور آج اسی مرد حق جیسے چند مخلص مفکرین اور دین و ملت کا درد رکھنے والے مجاہدین کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں اسلام ایک تیسری سیاسی طاقت

کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آرہا ہے، پاکستان میں نظامِ اسلام نافذ ہو رہا ہے، ایران میں اس کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے اور مغربی ممالک میں لوگ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا روح پرور منظر دیکھ رہے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان مردانِ حق کی کوششوں اور جانکاہیوں کو دیکھ کر ہمارے جذبات تشکر و امتنان سے معمور ہو جاتے، ہماری زبان سے ان کے حق میں نہ صرف یہ کہ دعائیں نکلتیں اور ہماری نیک تمنائیں اور خواہشات ان کے ساتھ ہوتیں بلکہ ہم پورے جوش و خروش اور ذوق عمل و شہادت کے ساتھ اس کام میں شریک ہو جاتے اور دین کو غالب کرنے کی تھوڑی بہت سعادت ہم بھی حاصل کرتے لیکن ہائے افسوس! یہ ہماری بدبختی اور شقاوت ہے کہ ہم آج اس کی مخالفت کر رہے ہیں، اس پر طنز کے تیروں کی بوچھار کر رہے ہیں، دین کی خیر خواہی کے پردے میں اس کی لٹیا ڈبو دینا چاہتے ہیں اور اس کو بدنام کر کے دوسرے لفظوں میں اسلام کو بدنام کر دینا چاہتے ہیں۔

ہم مولانا علی میاں سے اس کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ دانستہ طور پر ایسا کر رہے ہیں، آپ کی دینی خدمات، اسلامی دعوت کی اشاعت میں آپ کی دوڑ دھوپ، محنت و جدوجہد اور آپ کی سرگرمیاں سب آپ کی اسلام پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اس کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہے لیکن آپ کی اس تصنیف سے کیا نتائج نکلیں گے، ہم ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتے اسلام کے عملی مخالف، جہاد و عمل سے راہِ فرار اختیار کرنے والے اور دین کو عبادت میں محصور کر دینے والے نادان مسلمان آپ کی اس تصنیف کو خوب اچھالیں گے اور اس کے ذریعہ تحریکِ اسلامی بلکہ خود اسلام کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کریں گے، کاش مولانا نے اپنی اس تصنیف کی اشاعت سے پہلے اس پہلو پر بھی غور کر لیا ہوتا!!

مولانا علی میاں کا یہ شبہ کہ اس لٹریچر کو پڑھنے والے یہ سمجھیں گے کہ اب "شرک فی العبادۃ" پر زور دینا، اس کی تردید و ازالہ کے درپے ہونا اور اس کے مقابلے میں صف آرائی، طاقت کی اضاعت اور اہم کو چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہونے کے مرادف ہے، قطعی بے بنیاد ہے، آج اگرچہ تحریکِ اسلامی کو قائم ہوئے کئی دہے ہو چکے ہیں، اسلام کی مکمل تعلیم نگاہوں کے سامنے آچکی ہے، اسلام ایک مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے متعارف ہو چکا ہے، بلکہ مختلف جگہوں پر اس کے تجربات بھی ہونے جا رہے ہیں، اس کی قانونی حیثیت اور خدا کی حاکمیت بھی تسلیم ہوتی جا رہی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی تحریکِ اسلامی شرک فی العبادۃ والاطاعۃ دونوں پر زور دے رہی ہے اور مولانا سید حامد علی صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند کی رد الحاد و شرک پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور عوام تک پہنچائی جا رہی ہیں۔

مولانا مودودی اور عباداتِ مشروعہ

مولانا مودودی کے نزدیک عبادت کا مفہوم پوجا پاٹ

کا نہیں ہے، عبادت کا یہ مفہوم اپنا دراصل جاہلیت کا تصور ہے، اسی طرح ان کے نزدیک عبادت کا مفہوم یہ بھی نہیں ہے کہ آدمی دنیا کی زندگی سے الگ ہو کر خدا کے ہو جائے، مراقبہ، نفس کشی اور مجاہدات و ریاضت کے ذریعہ اپنی اندرونی قوتوں کو نشوونما دے، کشف و کرامت کی قوتیں اپنے اندر پیدا کرے اور دنیوی زندگی کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کر کے اخروی نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے بلکہ ان کی نگاہ میں :-

"اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی خدا کی بندگی میں بسر ہو، آپ اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقتی ملازم سمجھیں، آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو، اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں خدا کی شریعت کے مطابق کریں، آپ کا سونا اور جاگنا، کھانا اور پینا، آپ کا چلنا اور پھرنا غرض سب کچھ خدا کے قانون شرعی کی پابندی میں ہو۔"

پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور اللہ اللہ کرنا عبادت نہیں ہے، بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اور دنیاوی زندگی کی ساری ذمہ داریوں کو سنبھال کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے۔ ذکر اللہ کا مطلب محض یہ نہیں کہ صرف زبان سے اللہ اللہ جاری ہو بلکہ ذکر الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں ان میں پھنسو اور پھر خدا سے غافل نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں قانون الٰہی کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فائدوں کا لالچ اور بڑے بڑے نقصانوں کا خوف لئے ہوئے سامنے آتے ہیں وہاں خدا کو یاد کرو اور اس کے قانون کی پیروی پر قائم رہو، حکومت کی کرسی پر بیٹھو اور وہاں یاد رکھو کہ میں بندوں کا خدا نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں، عدالت کے منصب پر متمکن ہو اور وہاں ظلم پر قادر ہونے کے باوجود خیال رکھو کہ خدا کی طرف سے

> جب علماء ہی بگڑ جائیں تو ان کی اصلاح کون کرے گا؟ اور علماء کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دنیا کے ہو کے رہ جاتے ہیں اور دین کو فراموش کر دیتے ہیں۔ (امام سفیان ثوریؒ)

میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں، زمین کے خزانوں پر قابض و متصرف ہو اور پھر یاد رکھو کہ میں ان خزانوں کا مالک نہیں بلکہ امین ہوں اور پائی پائی کا حساب مجھے اصل مالک کو دینا ہے ..... یہ ہے اصل عبادت اس کا نام ہے یاد خدا، اسی کو ذکر الٰہی کہتے ہیں۔"

(اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر)

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ روحانی ارتقاء نام ہے اس چیز کا کہ آپ اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پا جائیں اپنے جسم اور ذہن کی تمام طاقتوں سے صحیح کام لیں۔ اپنے اخلاق میں خدا کے اخلاق سے قریب تر ہونے کی کوشش کریں۔ دنیوی زندگی میں جہاں قدم قدم پر آزمائش کے مواقع پیش آتے ہیں، اگر آپ حیوانی اور شیطانی طریق کار سے بچتے ہوئے چلیں اور پورے شعور اور صحیح تمیز کے ساتھ اس طریقہ پر ثابت قدم

رہیں جو انسان کے نمایاں شان ہے تو آپ کی انسانیت یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی جائے گی اور آپ روز بروز خدا سے قریب تر ہوتے جائیں گے، اس کے علاوہ روحانی ترقی اور کسی چیز کا نام نہیں۔

(اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر ص۱۲)

عبادات کی حیثیت

اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے، اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے کہ جس آدمی کو اللہ نے اپنا معبود تسلیم کیا ہے اس کا عبد یعنی بندہ بن کر رہے اور بندہ بن کر رہنے کا نام عبادت ہے، کہنے کو تو یہ بہت چھوٹی سی بات ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ لے زبان سے ادا کر دیا جاتا ہے، مگر عملاً آدمی کی ساری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ عبادت بن جانا آسان کام نہیں، اس کیلئے بڑی ٹریننگ کی ضرورت ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ خاص طور پر ذہن کی تربیت کی جائے، مضبوط کیرکٹر پیدا کیا جائے اور عادات و خصائل کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا جائے اور صرف انفرادی سیرت ہی کی تعمیر پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جو بڑے پیمانے پر افراد کو اس عبادت کے لئے تیار کرنے والا ہو جس میں جماعت کی طاقت فرد کی پشت پناہ، اس کی مددگار اور اس کی کمزوریوں کی تلافی کرنے والی ہو، یہی غرض ہے جس کے لئے اسلام میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی عبادتیں فرض کی گئی ہیں، ان کو عبادت کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہی عبادت ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصل عبادت کے لئے آدمی کو تیار کرتی ہیں، یہ اس کے لئے لازمی ٹریننگ کورس ہیں، ان ہی سے وہ مخصوص ذہنیت بنتی ہے، اس خاص کیرکٹر کی تشکیل ہوتی ہے، منظم عادات و خصائل کا وہ پختہ سانچہ بنتا ہے اور اس اجتماعی نظام کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں جس کے بغیر انسان کی زندگی کسی طرح عبادت الٰہی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ان چار چیزوں کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ اس بنا پر ان کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے یعنی وہ ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی کی عمارت قائم ہوتی اور قائم رہتی ہے۔ (ایضاً ص۱۲)

ایک جگہ روزے کی فرضیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی روزے فرض کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو، تقویٰ کے اصل معنی حذر اور خوف کے ہیں، اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد خدا سے ڈرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ اس لفظ کی بہترین تفسیر جو میری نظر سے گذری ہے وہ ہے جو حضرت ابی بن کعبؓ نے بیان کی، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا

امیر المومنین! آپ کو کبھی کسی ایسے راستے سے گذرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں اور راستہ تنگ ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں دامن سمیٹ لیتا ہوں اور بچتا ہوا چلتا ہوں کہ دامن کانٹوں میں نہ الجھ جائے۔ حضرت ابیؓ نے کہا بس اسی کا نام تقویٰ ہے۔ زندگی کا یہ راستہ جس پر انسان سفر کر رہا ہے دونوں طرف افراط و تفریط خواہشات اور میلاناتِ نفس، وساوس و ترغیبات گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خار دار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، اس راستہ پر کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے چلنا اور اطاعتِ حق کی راہ سے ہٹ کر بداندیشی و بدکرداری کی جھاڑیوں میں نہ الجھنا یہی تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ پیدا کرنے کیلئے اللہ نے روزے فرض کئے ہیں۔ (ایضاً ص ۶۹)

ان مندرجہ بالا تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کا مقصد مودودی صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی عبادت بن جائے، اس کے اندر تقویٰ اور خوفِ خدا اس حد تک پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ہر کام میں خدا کی نافرمانی سے بچنے کا التزام کرے اس کی پوری زندگی خوفِ خدا سے معمور ہو، خدا کی گرفت آخرت کا محاسبہ، ہر غلط اقدام کے وقت اس کو لرزا کر رکھ دے اور ساتھ ہی خدا سے اتنی محبت پیدا ہو جائے کہ اس کی رضا کو ہر حال میں مقدم رکھے اس کے احکام و فرامین پر اپنی خواہشات و مفادات کو قربان کر دے، اس کے اندر ایسا بیتاب جذبۂ بندگی پیدا ہو جائے کہ وہ بے چین ہو اٹھے کہ اس کا مولےٰ کہاں ہے؟ اس کی رضا کس چیز میں ہے؟ ہم کن کاموں کو کر کے اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی رحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں، ہمارا رواں رواں بے تاب ہو کر پکار اٹھے ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

مولانا مودودی پر عبادات کے سلسلہ میں طنز و تعریض کا الزام

مولانا علی میاں ربوبیت و الوہیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ربوبیت و الوہیت کے مرکزی نقطہ اور اس کے اخص خصائص (اقتدار) اور اس کے اس واحد مفہوم و حقیقت کا ان پر اس طرح غلبہ ہوا کہ ان کی نظر میں (یا کم از کم الفاظ میں ان کی تحریروں میں) عبادات کے ان اعمال، مظاہر و شعائر کی اہمیت خود بخود کم ہو گئی، جو شریعت میں مشروع، دین میں مطلوب اور آنحضرت کو محبوب تھے..... ان کو لازماً وہ ثانوی درجہ کی چیزیں نظر آنے لگیں اور ان میں انہماک و توغل ان کو روحِ دین سے ناواقفیت کا نتیجہ اور عہدِ انحطاط کی یادگار نظر آنے لگا، ان کے اس خیال اور دعوت میں

اتنی شدت پیدا ہوئی کہ عبادت کے اس مرکزی نقطہ اور اس کے جوہر کو بیان کرنے کے سلسلے میں (جس کی اپنی جگہ اہمیت سے کسی کو انکار نہیں) ان عبادات مشروعہ اور نماز و ذکر کی کثرت کے بارے میں کسی قدر طنز و تعریض کا رنگ آگیا ہے جو ان کے عام اسلوب نگارش سے الگ ہے۔" (دین کی تفہیم و تشریح)

داد دیجئے مولانا علی میاں کی دانش و فہم اور تعقل و فراست کی! ہے کوئی جواب اس منطق کا ایک شخص عبادت کو اتنی اہمیت دے رہا ہے، اس میں اتنی جامعیت، وسعت اور ہمہ گیریت و آفاقیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ پوری زندگی کو اسی عبادت کے رنگ میں رنگ دینا چاہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جب تم مسجد میں رہو، مدرسہ و خانقاہ میں رہو تو عبادت کرو، اللہ کو یاد رکھو اور جب بازار میں تجارت و معیشت کے میدان میں پارلیمنٹ ہاؤس اور اسمبلیوں میں عدالت کی کرسیوں پر اور امانت کی ذمہ داریوں پر رہو تو اس وقت بھی خدا کو یاد رکھو اس کے احکام و فرائض کا پاس و لحاظ رکھو، جس طرح رمضان میں کھانے پینے سے، لڑنے جھگڑنے سے، فتنہ و فساد سے اور دوسری منہیات سے رکے رہنے ہو اسے تقویٰ تصور کرتے ہو اسی طرح دوسرے مہینوں میں بھی ان منہیات سے رکے رہو کہ تقویٰ کا مقصود یہی ہے، ایک مہینہ کی ٹریننگ گیارہ مہینوں کی تربیت و اصلاح کے لئے ہے، ایک طرف وہ یہ اعلان کر رہا ہے اور دوسری طرف آپ اس پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ تم عبادت کا مذاق اڑا رہے ہو، ان میں انہماک و توغل کو روح دین سے ناواقفیت کا نتیجہ اور عہد انحطاط کی یادگار کہہ رہے ہو، وہ آپ سے کہتا ہے کہ اصل عبادت اور تقویٰ یہ ہے کہ تم فوجوں کے کمانڈر ہو اور پھر خوف خدا تمہیں طاقت کے نشے میں مدہوش ہونے سے بچا رہا ہے، سیاست و جہانبانی کا کٹھن کام اپنے ہاتھ میں لو اور پھر سچائی، انصاف اور حق پسندی کے مستقل اصولوں پر عمل کر کے دکھاؤ۔ تجارت اور مالیات اور صنعت کی باگیں سنبھالو اور پھر کامیابی کے ذرائع میں پاک اور ناپاک کا امتیاز کرتے ہوئے چلو، ایک ایک قدم پر حرام تمہارے سامنے ہزاروں خوبصورتیوں کے ساتھ آئے اور پھر تمہاری رفتار میں لغزش نہ آنے پائے، ہر طرف ظلم اور جھوٹ اور دغا اور فریب اور بدکاری کے راستے تمہارے سامنے کھلے ہوں اور دنیوی کامیابیاں اور مادی لذتیں یا ہر راستے کے سرے پر جگمگاتے ہوئے تاج پہنے کھڑی نظر آئیں اور پھر خدا کی یاد اور آخرت کی بازپرس کا خوف تمہارے لئے زنجیر پا بن جائے، حدود اللہ کے ایک حد کے قائم کرنے میں ہزاروں مشکلیں دکھائی دیں، حق کا دامن تھامنے اور عدل و صداقت پر قائم رہنے میں جان و مال کا زیاں نظر آئے اور خدا کے قانون کی پیروی کرنا زمین و آسمان کو دشمن بنا لینے کا ہم معنی ہو جائے پھر بھی تمہارا ارادہ متزلزل نہ ہو اور تمہاری جبین عزم

پر شکن تک نہ آئے، وہ بیچارا عبادت کے اس وسیع انقلابی مفہوم کو آپ کے سامنے رکھتا ہے اور پورے معاشرے کو عبادت گذار بنا دینا چاہتا ہے، پارلیمنٹ ہاؤس، اسمبلیوں، قانون ساز اداروں، عدالتوں اور بازاروں میں بھی خدا کی عبادت کرانا چاہتا ہے اور اس کے لئے پورے سوز و گداز کے ساتھ دعوت دیتا ہے اور آپ اس پر الزام لگاتے ہیں کہ تم عبادات مشروعہ پر طنز کر رہے ہو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی اہمیت کو ختم کر رہے ہو، ان کی کثرت اور تکرار کی مذمت کر رہے ہو، ہے کوئی مقام اس بے جا تاویل کا؟ اس انحراف و تحریف کا!

آپ صرف مسجد میں خدا کو یاد کرتے ہیں وہ آپ سے مطالبہ کرتا ہے کہ بازاروں میں بھی، تجارت کی منڈیوں میں بھی اس خدا کو یاد کرو، تمہاری زبان، ہر جگہ ہر وقت اس کی یاد سے تر رہے، آپ صرف رمضان میں روزے رکھتے ہیں وہ آپ کو تلقین کرتا ہے کہ بقیہ گیارہ مہینوں میں بھی منکرات و منہیات سے روزہ رکھو کہ تقویٰ کا مطلب یہی ہے، روزے کی غایت یہی ہے۔ آپ نماز میں اطاعتِ امام کا اہتمام کرتے ہیں، اس کی تقلید کرتے ہیں وہ زندگی کے بقیہ دوسرے معاملات میں بھی اجتماعیت کے لزوم، امیر کی اطاعت فی المعروف اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت گرفت و محاسبہ اور نظم و ڈسپلن پر زور دیتا ہے، آپ حج کے ایام میں تکبیر و تہلیل میں غرق رہتے ہیں، عید الاضحیٰ کے دن جانور کی قربانی کرتے ہیں، اپنے دادا ابراہیم کی سنت تازہ کرتے ہیں، وہ آپ سے فریاد کرتا ہے کہ اے لوگو! زندگی کے بقیہ ایام میں بھی خدا کی اطاعت و انقیاد، اس سے محبت و تعلق کا معاملہ رکھو، دوسرے دنوں میں بھی خدا کے دین کی اقامت کے لئے قربانیاں دینا سیکھو جان و مال کی قربانی، خواہشات و مفادات کی قربانی، اوقات اور صلاحیتوں کی قربانی، جس طرح عید الاضحیٰ کے دن ابراہیم کی سنت تازہ کرتے ہو، منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور دوسرے مسنون جگہوں پر حاضری دیتے اور لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند کرتے اور ربِ محبوب سے اس کے رسول سے محبت کا مظاہرہ کرتے ہو اسی طرح دنیا کی دوسری جگہوں پر جہاں کہیں تم رہو، ہر زمین تمہارے خدا کی زمین ہو، ہر جگہ تمہارے لئے حرم کی حیثیت میں ہو، ہر خطہ ارض کو تم معبد و مسجد سمجھو، زمین کے ہر گوشہ پر خدا کے دین کو قائم کرنے کیلئے کوشاں رہو، اس کی اقامت کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دینے کیلئے تیار رہو ۔۔۔ اس کے بعد آپ اس پر یہ الزام لگائیں کہ نہیں تم نماز روزے، حج اور دوسری عبادات کی اہمیت ختم کرنا چاہتے ہو، انھیں ثانوی درجہ کی چیز ثابت کرنا چاہتے ہو تو اس کے جواب میں ہم خدا سے یہی دعا کریں گے ــــــــــ اللّٰھم اھدِ قومی فانھم لا یعلمون

○ کوئی صاحب نظر آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ کسی اجتماعی نظریہ اور لائحہ عمل کو اس کے بنیادی فلسفے، اس کے نظام اخلاق اور اس کے تعمیری

کرنے والے ارکان سے الگ کر کے چلایا جا سکتا ہے
اللہ کی حاکمیت کا تصور نکال دینے کے بعد اسلام کا نظام سیاسی آخر ہے کس چیز کا نام؟ اور اگر قرآن کو ماخذ قانون اور محمد رسول اللہ کو رعیت (انسان) اور بادشاہ (اللہ) کے درمیان نزول احکام کا واحد مستند ذریعہ نہ مانا جائے تو کیا اسلامی اسٹیٹ کی تعمیر ہوا پر کی جائیگی؟ پھر وہ کون سا نظام تمدن و سیاست ہے جو کسی نظام اخلاق کا سہارا لئے بغیر قائم ہو سکتا ہے اور کیا اللہ کے سامنے انسان کی ذمہ داری و جوابدہی کا تخیل نکال دینے کے بعد اس نظام تمدن و سیاست کے لئے کوئی اخلاقی سہارا باقی رہ جاتا ہے جس کا نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے، کیا اس نظام کو آپ مادہ پرستانہ اخلاقیات کے بل پر ایک دن کے لئے بھی قائم کر سکتے ہیں، پھر وہ خاص قسم کی انفرادی سیرت اور جماعتی زندگی جو اس نظام تمدن و سیاست کے لئے درکار ہے نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ کے سوا اور کس ذریعے سے پیدا ہو سکتی ہے؟ اور وہ نہ ہو تو یہ نظام چل کہاں سکتا ہے پس یہ غایت درجہ کا افلاس فکر ہے کہ کوئی شخص محض شاخوں کا حسن دیکھ کر کہنے لگے کہ آؤ جڑ کے بغیر ان شاخوں ہی سے درخت قائم کریں۔"

مولانا مودودی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر عبادات کی اہمیت بتلانے کیلئے کافی ہے، اب یہ الزام بے بنیاد ہو جاتا ہے کہ مودودی صاحب ارکان خمسہ کی اہمیت گھٹا دینا چاہتے ہیں۔

بے رُوح عبادات

یہ صحیح ہے کہ مولانا مودودی نے بے روح عبادات پر تنقید کی ہے اور بے روح مذہبیت کو تحریک اسلامی کی راہ کا روڑا لکھا ہے، لیکن اس حقیقت کو کون انکار کر سکتا ہے کہ عبادات میں اگر روح نہ ہو تو اس کی مثال اس جسم کی سی ہوگی جس میں جان نہیں مردہ لاش کے ہاتھ پاؤں، آنکھ کان سبھی اعضاء ہوتے ہیں مگر اس میں جان نہیں ہوتی اس لئے اسے مٹی میں دبا دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر عبادات میں جان نہ ہو، نماز کے ارکان پورے ادا ہوں روزے کی شرطیں پوری کر دی جائیں مگر خدا کا خوف اس کی محبت اور اس کی وفاداری و اطاعت نہ ہو تو وہ تمام عبادات عابدین کے منہ پر مار دی جائیں گی

مولانا مودودی عبادات کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"نماز آپ کو دن میں پانچ وقت یاد دلاتی ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو اسی کی بندگی تمھیں کرنی چاہئے روزہ سال میں ایک مرتبہ اور پورے ایک مہینے تک آپ کو اسی بندگی کے لئے تیار کرتا ہے، زکوٰۃ آپ کو بار بار توجہ دلاتی ہے کہ یہ مال جو تم نے کمایا ہے یہ خدا کا عطیہ ہے، اس کو صرف اپنے نفس کی خواہشات پر صرف نہ کرو بلکہ اپنے مالک کا حق ادا کرو، حج دل پر خدا کی محبت کا ایسا نقش بٹھاتا ہے کہ ایک مرتبہ

اگر وہ بیٹھ جائے تو تمام عمر اس کا اثر دل سے دور نہیں ہو سکتا، ان سب عبادتوں کو ادا کرنے کے بعد اگر آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ کی ساری زندگی عبادت بن جائے تو بلا شبہ آپ کی نماز نماز ہے اور روزہ روزہ ہے، زکوٰۃ زکوٰۃ ہے اور حج حج ہے لیکن اگر یہ مقصد پورا نہ ہوا تو محض رکوع اور سجدہ کرنے اور بھوک پیاس کے ساتھ دن گذارنے اور حج کی رسمیں ادا کر دینے اور زکوٰۃ کی رقم نکال دینے سے کچھ حاصل نہیں۔"

(خطبات سوم ص۱۲)

یہی وہ نکتہ ہے جسے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں بیان فرمایا
مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں) كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ - (بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا اور بہت سے راتوں کو کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رت جگے کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا)
مَنْ صَامَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (یعنی جس نے روزہ رکھا ایمان و احتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے)
اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ"

روزے ڈھال کی طرح ہیں لہٰذا جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہئے کہ دنگے فساد سے پرہیز کرے، اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس کو کہہ دینا چاہئے کہ بھائی میں روزے سے ہوں (مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہارے اس مشغلہ میں حصہ لوں گا۔)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "جس شخص کی نماز نے اسے فحشاء اور منکر سے نہ روکا اس کی کوئی نماز نہیں۔"

"جس شخص کی نماز نے اسے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا، اس کی نماز نے اسے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔"

"اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ وہ فحش اور بدی سے رک جائے۔"

کیا ان احادیث نبویہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عبادات کی غرض و غایت آدمی کو فحشاء اور منکرات سے بچانا اور انسان کی پوری زندگی کو عبادت گذار بنا دینا ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو فحشاء و منکر سے نماز روزے کے خراب ہونے کی کیا وجہ ہے؟ مولانا مودودی اسی بے روح عبادت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اسی طرح

مذہبیت کو وہ تمسخر قابل سمجھتے ہیں۔

تصوف کی حقیقت

مشہور اہل طریقت شیخ سید ابوالحسن علی ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:۔

شیخ ابو مسلم فارسی نے مجھے بتایا کہ میری ان کو (ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہینی رح سے) ہمیشہ خصومت رہتی تھی، ایک دفعہ میں ان کی زیارت کیلئے گیا۔ میری گدڑی بہت میلی کچیلی تھی، آپ کے پاس پہونچا تو آپ بہت شاہانہ لباس میں تخت پر دراز تھے اور اوپر مصری دیبا کی چادر اوڑھے ہوئے تھے، میں نے یہ دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ اس ٹھاٹھ کے ساتھ فقر کا دعویٰ بڑی عجیب بات ہے، مجھے دیکھو کہ میں اس گدڑی میں فقر کا دعویٰ کرتا ہوں لیکن میرے کوئی بات زبان پر لائے بغیر آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ باتیں کس دیوان میں لکھی پائی ہیں، میں اس پر اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا:—

اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ یعنی تصوف تو اللہ سے دل لگانے کا نام ہے۔ (کشف المحجوب ص ۲۶)

باطنی حقیقت کی موجودگی کے بغیر محض ظاہری اہتمام نفاق ہے اور ظاہری شکل و صورت کے بغیر محض باطن کا دعویٰ ظاہر ہے بے دینی اور زندقہ ہے، اہل طریقت باطن کے بغیر ظاہر کو "نقص" اور ظاہر کے بغیر محض باطن کو "ہوس" قرار دیتے ہیں، اس لئے طالب حق کیلئے ظاہر و باطن کی یکساں درستی ضروری ہے۔" (افادات)

قابلِ اجتناب پیشوا

حضرت شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے فرمایا:— اِجْتَنِبْ صُحْبَۃَ ثَلَاثَۃِ اَصْنَافٍ مِّنَ النَّاسِ:— اَلْعُلَمَاءِ الْغَافِلِیْنَ وَالْفُقَرَاءِ الْمُدَاہِنِیْنَ وَالْمُتَصَوِّفَۃِ الْجَاہِلِیْنَ یعنی تین قسم کے لوگوں سے بچو:— ایک غافل علماء سے، دوسرے چکنے چپڑے اور دکھاوے کے فقراء سے اور تیسرے جاہل صوفیوں سے۔"

غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے حصول دنیا کو اپنا قبلۂ مقصود بنا رکھا ہے، ظالم حکمرانوں کے درباروں کا طواف کرتے رہتے ہیں، خدا کے بجائے مخلوق سے علماء کی عزت و مرتبہ کی طلب رکھتے ہیں، بزرگانِ دین اور دوسرے اہل علم کی تحقیر کرتے ہیں اور حسد اور عناد کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں۔

مکار اور دکھاوے کے فقراء وہ ہیں جنہوں نے ظاہر میں فقیری کا روپ بنا رکھا ہے، باطن میں زر کے بندے ہیں، جب کوئی شخص کوئی کام ان کی خواہش کے مطابق کرتا ہے تو خواہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو وہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور جب کوئی شخص کوئی کام ان کی خواہش کے خلاف کرتا ہے تو خواہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور مخلوق کو حق کے بجائے باطل کی تعلیم

دیتے ہیں اور اپنا شکار بناتے ہیں۔

جاہل صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس نے نہ کسی بزرگ کی صحبت اختیار کی نہ کہیں سے تربیت حاصل کی اور نہ اسے حق اور باطل کی تمیز ہو، بلکہ یونہی اپنے آپ کو لوگوں میں صوفی مشہور کر دیا ہو۔

حضرت محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:-

اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ یعنی تصوف نیک خوئی کا نام ہے جتنا کوئی شخص نیک خوئی میں بڑھا ہوا ہو گا، اتنا ہی تصوف میں بڑھ کر ہوگا۔ (صفحہ)

حضرت شیخ علی ہجویری رح فرماتے ہیں:-

تصوف اور صوفی دراصل لفظ "صفا" سے مشتق ہیں اس کی ضد کدر (کدورت) ہے۔ پس جس شخص نے اپنے اخلاق اور معاملات کو مہذب بنایا اور اپنی طبیعت کو کدورتوں اور کھوٹ اور میل سے پاک صاف کر لیا اور اسلام یعنی حق تعالیٰ کی سچی عبودیت کا وصف اپنے اندر پیدا کر لیا تو وہ صوفی بن گیا، اور اہلِ تصوف میں شامل ہو گیا" (صفحہ ۹۰)

اس بارے میں مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں:-

"مراتبِ ولایت میں سے انتہائی مرتبہ مقام عبدیت ہے اور ولایت کے درجوں میں مقام عبدیت سے اُدھر (آگے) کوئی مقام نہیں ... سیرت و سلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور اسے پاک کرنا ہے تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو نفسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتی ہے، نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے۔

اَلصُّوفِیُّ اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُہٗ عَنِ الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَکَتَ نَطَقَتْ عَنْہُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ یعنی صوفی وہ ہے کہ جب بولے تو اس کی زبان پر حق جاری ہو اور جب خاموش ہو تو اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبانِ حال سے شہادت دے کہ اس کے اندر دنیا کی کوئی ہوس موجود نہیں ہے" (صفحہ ۹۲)

اَلتَّصَوُّفُ الْیَوْمَ اِسْمٌ وَلَا حَقِیْقَۃَ وَقَدْ کَانَ حَقِیْقَۃً" یعنی آج کل کا تصوف تو صرف ایک نام ہے جس کے پیچھے کوئی حقیقت موجود نہیں ہے لیکن اس سے پہلے (یعنی صحابہؓ اور سلف کے زمانے میں) یہ ایک حقیقت تھا، اس دور میں اس کا نام تو بیشک نہیں تھا، مگر بطور ایک حقیقت کے وہ موجود تھا۔

(ابوالحسن ابوشنجہ صفحہ ۹۳)

دین کی اصل روح اور اس کی جان تو احکامِ الٰہی کی اخلاص و محبت کے ساتھ پیروی ہی ہے، اگر اس کا انکار کر دیا تو پھر دین کہاں رہا، لیکن اگر اس کو مانتے ہو اور یہ موجود ہے تو اسی کو ہم تصوف کہتے ہیں۔

(حضرت علی ہجویری رح صفحہ ۹۳)

حضرت ابوالحسن نوری رح فرماتے

اَلتَّصَوُّفُ ھُوَ الْحُرِّیَّۃُ وَالْفُتُوَّۃُ وَتَرْکُ

اَلتَّکَلُّفِ وَالسَّخَاءُ وَبَذْلُ الدُّنْیَا یعنی تصوف نام ہے نفس اور حرص و ہوا کی غلامی سے آزادی پانے کا باطل کے مقابلے میں جرات و مردانگی دکھانے کا، دنیوی تکلفات کو ترک کر دینے کا، اپنے مال کو دوسروں پر صرف کر دینے کا اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ دینے کا۔"

حضرت ابو الحسن ؒ فرماتے ہیں :۔

لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَلَا عُلُوْمًا وَلٰکِنَّہٗ اَلْاَخْلَاقُ یعنی تصوف کسی خاص وضع قطع یا علمی سندات کا نام نہیں ہے تصوف تو ایک صفا در اخلاق کا نام ہے" (ص۹۳)

حضرت ابو حفص حداد نیشا پوری ؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ اَدَبٌ وَلِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ فَمَنْ لَزِمَ اٰدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَیَّعَ الْاٰدَابَ فَھُوَ بَعِیْدٌ مِنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقُبُوْلَ یعنی تصوف کل کا کل آداب و احکام کی پابندی کا نام ہے اور ہر وقت ہر مقام اور ہر حال کے لئے متعین آداب و احکام ہیں جو شخص ہر موقع و محل کے آداب و احکام کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لے وہ اس مرتبہ کو پہونچ گیا جہاں آدمی کو پہونچنے کی تمنا کرنا چاہئے اور جس نے ان آداب و احکام کی پرواہ نہ کی اور ان کو ضائع کر دیا تو ایسا شخص اس مقام سے بہت دور ہے جہاں کہ وہ بارگاہ خداوندی میں باریابی کی امید کر سکے" (ص۹۴)

مولانا مودودی اور تصوف

مولانا مودودی کس قسم کے تصوف کو درست سمجھتے ہیں اور اسے رائج کرنا چاہتے ہیں یہ بھی ملاحظہ فرمائیے دارالافتاء امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے ایک سوال کے جواب میں مولانا مودودی نے بڑا اچھا جواب دیا ہے، سوال تھا :۔

"تصوف (مروجہ نہیں) جس کی تعبیر احسان و سلوک بھی ہے جس کی تعلیم اکابر نقشبندیہ چشتیہ سہروردیہ، قادریہ وغیرہ نے دی ہے، جیسے حضرت شیخ شہاب الدین محمد نقشبند ؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ؒ، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ؒ، اس تصوف کو آپ حضرات دین کے لئے مفید سمجھتے ہیں یا مضر؟"

مولانا مودودی نے فرمایا :۔

"ہمارے نزدیک ہر وہ چیز جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے مطابقت رکھتی ہے وہ مفید ہے اور تصوف کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے بلکہ بہت سی مختلف چیزیں اس نام سے موسوم ہو گئی ہیں۔ جس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں وہ اور چیز ہے، جس تصوف کی ہم تردید کرتے ہیں وہ ایک دوسری چیز ہے اور جس تصوف کی ہم اصلاح چاہتے ہیں وہ تیسری چیز ہے"

ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے

کے صوفیا رہیں تھا مثلاً فضیل بن عیاضؒ، ابراہیم ادہمؒ اور معروف کرخیؒ وغیرہم۔ اس کا کوئی الگ فلسفہ نہ تھا اس کا کوئی الگ طریقہ نہ تھا، وہی افکار اور وہی اشغال و اعمال تھے جو کتاب و سنت سے ماخوذ تھے اور ان سب کا وہی مقصود تھا جو اسلام کا مقصود ہے یعنی اخلاص للہ اور توجہ الی اللہ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ اس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور صرف تصدیق ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو زندہ اور شائع کرنا چاہتے ہیں، دوسرا تصوف وہ ہے جس میں اشراقی اور رواقی اور زردشتی اور ویدانتی فلسفوں کی آمیزش ہو گئی ہے جس میں عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کے طریقے شامل ہو گئے ہیں جس میں مشرکانہ تخیلات و اعمال تک شامل ہو گئے ہیں جس میں شریعت اور طریقت اور معرفت الگ الگ چیزیں ہیں، ایک دوسرے سے کم و بیش بے تعلق بلکہ بعض اوقات باہم متضاد بن گئی ہیں اور جس میں انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے فرائض کی انجام دہی کیلئے تیار کرنے کے بجائے اس سے بالکل مختلف دوسرے ہی کاموں کے لئے تیار کیا جاتا ہے، اس تصوف کی ہم تردید کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک اس کو مٹانا خدا کے دین کو قائم کرنے کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ جاہلیت جدیدہ کو مٹانا۔

ان دونوں کے علاوہ ایک اور تصوف بھی ہے جس میں کچھ خصوصیات پہلی قسم کے تصوف کی اور کچھ خصوصیات دوسری قسم کے تصوف کی ملی جلی پائی جاتی ہیں اس تصوف کے طریقوں کو متعدد ایسے بزرگوں نے مرتب کیا ہے جو صاحب علم تھے، نیک نیت تھے مگر اپنے دور کی خصوصیات اور پچھلے ادوار کے اثرات سے بالکل محفوظ بھی نہ تھے، انھوں نے اسلام کے اس تصوف کو سمجھنے اور اس کے طریقوں کو جاہلی تصوف کی آلودگیوں سے پاک کرنے کی پوری کوشش کی لیکن اس کے باوجود ان کے نظریات میں کچھ نہ کچھ اثرات جاہلی فلسفہ تصوف کے اور ان کے اعمال و اشغال میں کچھ نہ کچھ اثرات باہر سے ہوئے اعمال و اشغال کے باقی رہ گئے جن کے بارے میں ان کو یہ اشتباہ پیش آیا کہ یہ چیزیں کتاب و سنت کی تعلیم سے متصادم نہیں ہیں یا کم از کم تاویل سے انھیں غیر متصادم سمجھا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں اس تصوف کے مقاصد اور نتائج بھی اسلام کے مقصد اور اس کے مطلوب نتائج سے کم و بیش مختلف ہیں، نہ اس کا مقصد واضح طور پر انسان کو فرائض خلافت کی ادائگی کیلئے تیار کرنا اور وہ چیز بنانا ہے جس کو قرآن نے لِتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اور نہ اس کا نتیجہ ہی یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایسے آدمی تیار ہوتے جو دین کے پورے تصور کو سمجھتے اور اس کی اقامت کی فکر انھیں لاحق ہوتی اور وہ اس کام کو انجام دینے کے اہل بھی ہوتے، اس تیسری قسم کے تصوف کی نہ ہم کلی تصدیق کرتے ہیں اور نہ کلی تردید بلکہ اس کے پیروؤں اور حامیوں سے ہماری گزارش یہ

یہ ہے کہ براہِ کرم بڑی بڑی شخصیتوں کی عقیدت کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے آپ اس تصوف پر کتاب و سنت کی روشنی میں تنقید کی نگاہ ڈالیں اور اسے درست کرنے کی کوشش کریں، نیز جو شخص اس تصوف کی کسی چیز سے اس بنا پر اختلاف کرے کہ وہ اس کے نزدیک کتاب و سنت کے خلاف پاتا ہے تو قطعِ نظر اس سے کہ آپ اس کی رائے سے موافقت کریں یا مخالفت بہر حال اس کے حق تنقید کا انکار نہ فرمائیں اور اسے خواہ مخواہ نشانہ ملامت نہ بنانے لگیں۔

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۵۲ء)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے الفاظ میں

تزکیہ و صفائی باطن اور تصوف کا اطلاق اس صفائی پر کیا جاتا ہے، جو شریعت کے احکام کی پابندی سے حاصل ہو کیونکہ تزکیہ سے مراد وہ تزکیہ ہے جو موجب فلاح ہے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا اور ظاہر کہ فلاح منحصر ہے اتباعِ شریعت پر۔ البتہ ہندو جوگی وغیرہ جو ریاضت کرتے ہیں، وہ سرے سے صفائی ہی نہیں، یا لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو صفائی کہو تو ساتھ ہی غیر مقبول کہنا ہوگا، اس صورت میں صفائی کی دو قسمیں ہوں گی، ایک مقبول دوسری مردود۔"

عشق و محبت جو تصوف کی جان ہے اور جس سے تصوف کا سارا دفتر بھرا پڑا ہے اور جو قلب باطن ہی کی ایک اعلیٰ صفت و کمال ہے، اس کی راہ بھی خود نصِ کتاب کی رو سے تمام تر اتباعِ سنت و شریعت ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص الفاظ میں:

"محبت خدا و رسول جو منجملہ صفاتِ حمیدہ قلبیہ اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، اس کا تعلق بھی اتباعِ شریعت ہی سے ہے، بدون اتباعِ شریعت محبت کہاں؟ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ دیکھو اس آیت میں اتباعِ رسول ہی کو ذریعہ بتایا گیا ہے۔"

(تصوف و سلوک ص۱۲۱ از مولانا عبدالباری ندویؒ)

خود مولانا علی میاں نے تصوف کی جو تعریف کی ہے اور جس قسم کے تصوف کو قابل اتباع ٹھہرایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:-

"..... جس طرح پہلی چیز (ادب، فکر و نظر اور معلومات و مطالعہ) کیلئے وسائل اساتذۂ فن اور نظام ہے، اسی طرح دوسری چیز (یقین، اخلاص، ایمان و احتساب، شدت تعلق مع اللہ، ذوق دعا، درد و محبت) کے مآخذ و ذرائع موجود ہیں اور اس کے لئے بھی اہتمام و طلب کی ضرورت ہے۔ یہ چیز روح شریعت اور فقہ باطن ہے اس کا منصوص نام کتاب و سنت کی زبان میں تزکیہ و احسان ہے، ابعد کی صدیوں میں معلوم نہیں کیوں اس کا نام تصوف پڑ گیا اور اس کے ساتھ بعض ایسی چیزیں شامل ہو گئیں جن کا حقیقتاً شریعت میں ثبوت نہیں۔ (چراغ راہ مسعود عالم ندوی نمبر ۱۹۵۹ء)

(بقیہ ص۳۳ پر)

آخری قسط

اشتیاق دانش فلاحی ۔ دارالبیان جامعۃ الفلاح

رسولِ اکرمؐ ۔ ایک عظیم سیاسی رہنما

اسی سال حج کے زمانے میں آپ اپنی نصف فوج مدینہ میں چھوڑ کر، پندرہ سو جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف حج کی نیت سے روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر پہونچے تو قریش مکہ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی، آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے صلح کی گفت و شنید شروع کردی، آپ نے اس موقع پر نہایت درجہ نرمی سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور ان کی منمانی شرطیں قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے بالآخر متعدد دفعات پر مشتمل ایک دس سالہ معاہدۂ صلح طے پا گیا۔[1] مسلمانوں کے حق میں صلحنامے کی سب سے اہم دفعہ یہ تھی کہ آپ نے اہل مکہ کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی لڑائیوں میں غیر جانبدار رہیں، دراصل یہ قریش مکہ کی ایک زبردست سیاسی چوک تھی اور دوسری طرف آنحضور کے سیاسی تدبر اور دوررسی کی داد دینی پڑتی ہے کہ آپ نے نرمی کی راہ سے سخت دل اور شدید ترین مخالفین سے یہ شرط منظور کرالی جس سے نہ صرف یہ کہ آپ کو یہودیان خیبر کے شرور اور سازشوں سے نجات ملی بلکہ قریش مکہ کو بھی ان کے ایک زبردست اور طاقتور بازو سے محروم کردیا گیا، صلح حدیبیہ سے متعلق قرآنی الفاظ "فتح مبین" بالکل مبنی بر صداقت ہیں، ان الفاظ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس سیاسی نکتے کو ذہن میں مستحضر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حدیبیہ سے مدینہ واپس آتے ہی آپ نے فوج ترتیب دی اور دو ہی ہفتہ کے بعد بڑی رازداری سے جنگی تدبیروں کو اختیار کرتے ہوئے خیبر کے دہانے پر پہونچ گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا اور انھیں اس مصیبت کا علم اسی وقت ہوا جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے سر پر آ پہونچا ہے اور کوئی راہ فرار باقی نہیں ہے، آپ کی رازداری اور سرعت کا

[1] چونکہ مضمون حضورؐ کی سیاسی زندگی پر مشتمل ہے اس لئے اس صلحنامے کے صرف سیاسی پہلوؤں کو اس مضمون میں جگہ دی گئی ہے، تفصیل کے طالب سیرت کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

اندازہ اس سے کیجئے کہ یہودیان خیبر کے حلیف بنو غطفان بھی ان کی کوئی مدد نہ کر سکے اور دور کھڑے اپنے دوستوں کی تباہی کا تماشا دیکھتے رہے۔

حضورؐ نے فتح خیبر کے لئے جلدی کر کے اپنے گہرے سیاسی تدبر کی مثال قائم کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ اس میں ذرا بھی دیر کرتے تو بہت ممکن تھا کہ یہودی اہل مکہ کو صلح نامے سے اس دفعہ کے اخراج کی تحریک شروع کر دیتے اور وہ اپنے باریک بیں ذہن سے وہ کچھ انہیں دکھا دیتے جو حضور کے پیش نظر تھا، یہود سے یہ بات غیر متوقع نہ تھی کیونکہ جہاں تک سیاسی تدبر کی بات ہے اس میدان میں اعدائے اسلام کے قائد در حقیقت یہی لوگ تھے۔

فتح خیبر کے بعد جبکہ آپ اپنے ایک عظیم دشمن سے نجات پا چکے تھے اور دوسرے بڑے دشمن کی طرف سے صلح ہو جانے کی وجہ سے مطمئن تھے، آپ نے سیاسی تدبر و حکمت سے کام لیتے ہوئے دوسرے بہت سے قبائل عرب سے دوستی قائم کرنے اور معاہدات کرنے کا پروگرام بنایا اور اس پر عمل کرتے ہوئے اسی زمانے میں بحرین اور عمان کی ایرانی نو آبادیوں کو بھی اپنا حلیف بنا لیا، اب اس کے بعد قریش مکہ کا سوائے ان کے چند ہزار افراد کے کوئی اور معین و مددگار نہ تھا، حضور نے آغاز ہی میں جو سیاسی منصوبے بنائے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم تھا کہ مختلف قبائل پر اہل مکہ کا جو اثر و اقتدار ہے اسے ختم کر کے وہاں اپنے اثرات کو مستحکم کریں اور اس طرح انہیں بے یار و مددگار کر کے اور ان پر معاشی ضرب لگا کر جھکنے پر مجبور کر دیا جائے۔ آپ نے اس سیاسی منصوبے پر اس خوش اسلوبی سے عمل کیا کہ فتح خیبر تک یعنی تقریباً سات آٹھ سال کی مدت کے اندر ہی قریش کو بے دست و پا بنا دیا اور اس کے بعد جوں ہی انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی آپ نے مکہ پر دھاوا بول دیا اور بغیر کشت و خون کے مخالفت اسلام کے سب سے بڑے مرکز کو فتح کر لیا اور اس کے بعد سارے عرب کو آپ کے زیر نگیں ہونے میں دیر نہ لگی۔

عصر جدید میں دوسرے ملکوں کے سیاسی حالات اور مخفی حالات کو معلوم کرنے کے لئے جاسوسی تنظیمیں قائم کی جاتی ہیں اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اتنے منظم پیمانے پر یہ کام اسی دور کی پیداوار ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن عہد نبوت میں اور خاص کر امی عربوں میں کسی شخص کا اس طرح کا کوئی انتظام کر لینا اس کی عبقریت، سیاسی بصیرت اور تدبر و حکمت کی روشن دلیل ہے۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ مکہ میں مستقل آپ کے نامہ نگار موجود تھے اور دشمن کی نقل و حرکت کی پوری تفصیل آپ کے پاس پہنچتے رہتے تھے، ان پیشگی اطلاعوں سے احد اور بالخصوص خندق کی جنگوں میں بڑی مدد ملی تھی، اگر حضور کا یہ سیاسی انتظام نہ ہوتا تو معرکۂ خندق کے موقع پر مدینہ کی تباہی یقینی تھی کیونکہ اس موقع پر آپ عرب کے

انتہائی شمال میں گئے ہوئے تھے، اطلاع ملتے ہی واپس لوٹے اور مقابلے کے انتظامات کئے۔

دوسری طرف آپ اپنے اندر جاسوسی بالکل نہ ہونے دیتے تھے، چنانچہ خیبر اور مکہ کی فتوحات کے مواقع پر ایسا ہی ہوا، دشمنوں کو لشکرِ اسلام کا پتہ اس وقت چلا جب کہ وہ نرغے میں آ چکے تھے اور اسلامی فوج نے انھیں گھیرے میں لے لیا تھا۔

حضورؐ کی سیاسی زندگی میں ان خطوط و رسائل کو بھی سیاسی اہمیت حاصل ہے جو آپ نے متعدد حکمرانوں اور رؤسا کے نام ارسال کئے تھے، اسی طرح آپ کی شادیاں بھی سیاسی اہمیت کی حامل تھیں، شہنشاہوں اور رؤسار کے نام آپ نے خطوط لکھ کر انھیں یہ احساس دلایا کہ آپ کی قیادت میں ایک نئی انقلابی قوت ابھر رہی ہے، جسے کوئی دبا نہیں سکتا اور دوسری طرف آپ کے جاں نثار جانشینوں میں اس بات نے عزم و حوصلہ کے شرارے بھی پیدا کر دئے اور اپنی شادیوں کے ذریعے عظیم و باجبروت اور کثیر التعداد قبائل سے رشتہ قائم کر کے انھیں اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی، یہ آپ کی سیاسی تدبیریں تھیں اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور اس چیز نے عربوں پر خوشگوار اثرات بھی مرتب کئے

قریش مکہ کو مغلوب کر کے آپ نے صرف عربوں ہی پر نہیں بلکہ پوری انسانیت پر احسان کیا تھا، کیونکہ آپ نے ایک پاکیزہ اور با اصول حکومت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کو یہ سبق دیا کہ تہذیب و تمدن کے آداب کیا ہیں اور سیاست خواہ عملی ہو یا نظری، اس میں پاکیزگی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے، اس حکومت کے ذریعہ حضورؐ نے عربوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور ان تمام جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ کر دیا جو انسانیت کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھیں، آنحضرت صلعم کے سیاسی کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ کی وجہ سے بہت سے بین الاقوامی مسائل کے سمجھے اور فطری حل دریافت ہوئے، عہد نبوت سے ماقبل اور زمانہ نبوت میں بھی ساری دنیا قومیت، نسل و رنگ، تعصب بیجا، ثار یعنی غیر مختتم انتقام، سود اور اسی طرح کی دوسری بہت سی لعنتوں اور مہلک ناسوروں میں مبتلا تھی آپ کی ذات گرامی ہی نے سارے انسانوں کو اس بھیانک غار سے نکلنے کا راستہ دکھایا۔

چونکہ آپ کی سیاست یہ تھی کہ تمام معاملات میں تبلیغ دین کو مقدم رکھا جائے اور آپ کی سیاسی زندگی کے مطالعہ سے یہ حقیقت واشگاف بھی ہو جاتی ہے کہ آپ کی سیاست ہمیشہ تبلیغ دین کے تابع رہی اس لئے آپ نے ایک باجبروت سلطنت کے قیام کے ساتھ بین الاقوامی لعنتوں کے خاتمے اور گندی سیاست کے ازالے کی طرف بھی پوری توجہ کی، حضور پہلے شخص ہیں جنھوں نے منظم طور پر نظری سیاست کے ساتھ عملی سیاست میں بھی پاکیزگی پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کے نہایت پاکیزہ اصول انسانوں کے لئے فراہم کئے۔

عصر حاضر میں پاکیزہ سیاست کے بحران کے حل کے لئے اگرچہ باقاعدہ کوئی تحریک نہیں چل رہی ہے لیکن بعض معاصرین کے افکار کچھ اسی انداز سے سامنے آ رہے ہیں کہ عصری سیاست میں گندگی اس قدر داخل ہو گئی ہے کہ کسی شریف النفس کو اس کی فضاؤں میں سانس لینا بھی دشوار ہے، پاکیزہ سیاست کے اس عالمی بحران کا واحد حل حضورؐ کی سیاسی زندگی کا غیر جانبدارانہ مطالعہ اور قرآن کی سیاسی ہدایات ہیں جس طرح پوری انسانیت اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں حضورؐ کی رہنمائی کے بغیر راہ راست کو تلاش نہیں کر سکتی اسی طرح اپنی سیاسی زندگی میں بھی کامیابی کے لئے نبی امی کے پاکیزہ اور رہنما اصول سیاست کی احتیاج سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

حضورؐ کا سیاسی شعبۂ حیات بھی دوسرے شعبہ ہائے حیات کی طرح پھیلا ہوا ہے، میں نے اپنی بساط بھر اس امر کی کوشش کی ہے کہ آپ کی سیاسی زندگی کا ایک مختصر خاکہ بھی سامنے آ جائے، نیز یہ بات بھی نکھر کر سامنے آ جائے کہ سیاست آپ کے نزدیک مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ ایک عظیم مقصد یعنی اقامت دین کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ ہے، نیز یہ امر کہ آپ کی زندگی آب زلال کی طرح پاک اور صاف ہے، آپ کے سترہ سالہ سیاست میں بدبوؤں کی طوفانی ہوائیں نہیں بلکہ خوشبوؤں کے حیات افزا جھونکے ہیں جن کی عطر بیز لپٹوں سے ساری فضا معطر ہے

یہ تصویریں ہیں کس کی!

ترویندرم۔ کیرالا کے وزیر اعلیٰ مسٹر واسودیون نائر نے اچاریہ ونوبا بھاوے کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے مذہبی خول سے باہر نکل کر گاؤکشی کے تئیں اپنے موجودہ خیالات کو ترک کر کے وسیع تر انسانی اقدار کی بنیاد پر ہندوستان کی ثقافتی بیداری کے لئے جدوجہد کریں۔

وزیر اعلیٰ نے اچاریہ بھاوے کے نام دس صفحات پر مشتمل ایک خط بھیجا ہے جس میں انھوں نے مزید کہا ہے کہ بھوک ہڑتال ختم کرنے سے ان کو خوشی ہوتی ہے لیکن اس بھوک ہڑتال کے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ اس ملک کیلئے خطرے کی سنگین علامت ہیں گاؤکشی پر پابندی کے سلسلے میں آپ کو جو فتح حاصل ہوئی ہے اس سے فرقہ پرستی اور ہندو احیاء پرستی کی طاقتوں کو زبردست تقویت پہونچی ہے آخر میں مسٹر نائر نے امید ظاہر کی ہے کہ اچاریہ بھاوے اس مسئلہ پر دانشمندی اور حوصلے کے ساتھ کام کرنے کی کوشش کریں گے۔

گاؤکشی پر پابندی کیخلاف انوکھا احتجاج!

ڈراوڑ اکازگھم کے ممبران نے گاؤکشی پر پابندی کیخلاف ایک انوکھے طریقے سے احتجاج کرتے ہوئے پوری ریاست میں "اجتماعی گوشت خوری" کی محفلیں منعقد کیں۔ مدراس میں پارٹی کے ہیڈکوارٹرز میں تقریباً تین سو افراد جمع ہوئے اور گوشت کھایا۔ (دعوت ۱۷ مئی ۷۹ء)

ڈاکٹر عبداللہ عزام شریعت کالج عمان یونیورسٹی
ترجمہ :- دار البیان جامعۃ الفلاح

عالمِ اسلام — مہیب اژدہے کی لپیٹ میں

مارکسی نظریات کا مطالعہ کرنے والا ہر طالب علم اچھی طرح سمجھتا ہے کہ روس کی عمارت عین انگلستان و جرمنی کے مقابلے میں کمزور کی گئی ہے، یہودی پہلے جرمنی یا برطانیہ میں بالشویکی انقلاب کی راہ دیکھ رہے تھے لیکن ۱۹۰۵ء کے بعد ان کی رائے میں تبدیلی آگئی اور انھوں نے اپنی تمناؤں کا مرکز روس کو بنالیا، کیونکہ وزارت کی کرسیوں پر قبضہ جما کر اور بڑے بڑے مناصب حاصل کر کے وہ برطانیہ پر قابض ہو چکے تھے اور اب اپنی جدوجہد و کوششوں کو کسی دوسرے شکار پر صرف کرنا تھا، اس کے لئے روس سے بہتر ملک اور کوئی نہ تھا وہ یہاں اپنے قدم جما کر روس قوم سے بدترین انتقام لے سکتے تھے، روسی یہودیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، پھر ان کی تعداد روس میں تقریباً ستر لاکھ تھی، اس لحاظ سے یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز روس ہی تھا، پھر ۱۸۸۲ء میں ڈکٹیٹر الیگزینڈر ثانی کے یہودیوں کو بری طرح قتل کر دینے کے بعد بھی انھیں بری طرح ذبح کیا جا رہا تھا، ان عوامل کے ساتھ ہی ایک بڑا عامل یہ بھی تھا کہ روس کی دولت چند جاگیرداروں کے ہاتھ میں گردش کر رہی تھی، عوام اس کی افادیت سے محروم تھے، اب وقت آگیا تھا کہ آقا و بندہ کی طبقاتی کشمکش چھیڑ کر روسی قوم سے بھر پور انتقام لیا جائے چنانچہ یہی ہوا۔

لینن نے سوئزرلینڈ سے روسی اخبار "شعلہ" نکالنا شروع کیا اور ٹراٹسکی کے ساتھ مل کر تخریبکاری میں لگ گیا، وہیں اس نے کارل راڈیک کی موجودگی میں مشہور صیہونی لیڈر حاییم وائزمین اور اس کے صیہونی رفیق اور نامور مصنف جاک لیوے آسٹریا کے یہودی پروفیسر مولر و ہیم اور پولینڈ کے یہودی پروفیسر ڈیوڈ بارن سے ملاقات کی ۱۸۹۷ء میں یہودیوں کی کانفرنس میں شرکت کی اور مشہور یہودی لیڈر ہرتزل سے ملا، ۱۹۱۷ء میں لینن اور وائس مین کے درمیان ایک یہودی صنعت کار دانیال شوین کے مکان پر ملاقاتیں ہوتی رہیں جن کا مقصد روس میں زار کی سلطنت

کا خاتمہ اور اس کے کھنڈر پر مارکسی ریاست کا قیام تھا۔ ان طاقتوں کی کارروائی جاک لیوے نے قلمبند کی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق لینن نے گفت و شنید کے دوران وائسمین سے کہا:۔

"روسی انقلاب کی کامیابی کی بدولت ہی یہودی یورپ کے سلاطین اور حکام کے کابوس سے نجات پا سکتے ہیں اور انھیں حکومت کے اندر اعلیٰ مراتب حاصل ہو سکتے ہیں اور ان کا وقار اور تشخص بحال ہو سکتا ہے۔ یہ انقلاب پراگندہ حال یہودی قوم کا وہ مقصد پورا کر دے گا جسے پورا کرنے سے ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب بھی عاجز رہا ہے جونہی روس کی سرزمین سے زار کی ابا طالتی اور کلیسا کی فرماں روائی ختم ہوگی، بس ایک خالص مارکسی ریاست قائم کر دی جائے گی جس کی تعمیر ان بنیادوں پر استوار ہوگی جن کا مقصد مشرق اور مغرب میں طویل المیعاد منصوبوں کی تکمیل ہے۔"

وائسمین نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "یہود کے لیے مشرق کا دروازہ اسی وقت کھل سکتا ہے کہ عثمانی سلطنت کو کلیتاً مسمار کر دیا جائے عثمانی سلطنت اگر کلیتاً محو ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی وہ تمام دیواریں اور رکاوٹیں زائل ہو جائیں گی جو ارض موعود کی طرف پیش قدمی کرنے میں حائل ہو رہی ہیں عثمانی سلطنت کا چراغ اب گل ہوا چاہتا ہے۔ اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ جونہی روس کا اشتراکی انقلاب اپنی منزل کو پہنچ جائے فلسطین کے اندر اشتراکی بنیاد پر بدولت یہودیہ کی داغ بیل ڈال دی جائے۔"

لینن اور اس کے مجوزہ انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سانٹیلے اپنی کتاب "صیہونیت اور بالشویک انقلاب" میں جو ۱۹۳۶ء میں میلانو سے شائع ہوئی تھی، لکھتا ہے :۔

"صیہونیوں کی اشتراکی تحریک صنعتی اور لاطینی یورپ کے اندر اس طرز کے انقلابات بھڑکانے میں ناکام ہو گئی جس طرز کا انقلاب اس نے زار کے روس میں بالشویک انقلاب کے عنوان سے بھڑکایا تھا، زار کا روس درحقیقت ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہوا جو ۱۹۱۷ء میں اس سرزمین پر نافذ کی گئی، روسی قوم یہ سمجھتی ہے جیسا کہ اس کے ذہن میں ڈالا گیا ہے بالخصوص مزدوروں اور کسانوں کا طبقہ کہ لینن روسی انقلاب کا لطیل واحد ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی تحریک کے تمام زعما یہودی تھے اور ٹراٹسکی کی قیادت میں انھوں نے یہ منصوبہ سرانجام دیا، یہودی مصنف جاک لیوے نے لیل شہر کے اپنے ایک ڈاکٹر دوست البرٹ ہوان کو ۴ ستمبر ۱۹۳۱ کو جو خط لکھا ہے اس میں وہ بیزاگ لیبیٹ سے کہتا ہے "میں نے لینن کو زیورچ میں خوب پہچان لیا تھا، جہاں ایسے متعدد اجتماعات منعقد ہوتے تھے جن میں اشتراکی تحریک کے رہنماؤں نے شرکت کی تھی، صیہونی جمعیت کا جنرل سیکرٹری حاییم وائسمین بھی ان میں شریک ہوا تھا..... لینن ایک انقلابی آدمی ہے، اس نے جتنے بھی کارنامے انجام دیے ہیں ان سب میں وہ ٹراٹسکی

کا مرہونِ منت ہے۔ یہ شخص کسی ایسی قوم کی قیادت کا اہل نہیں ہے جس کے عوام پڑھے لکھے اور بیدار مغز ہوں۔

زیورچ میں لینن اور روتھشیلڈ کی ملاقات کے بعد لینن نے برلن کا رخ کیا اور جرمن کی خفیہ پولیس کی امداد سے اسلحہ اور روپے کی بہت بڑی مقدار حاصل کر لی۔ مارچ ۱۹۱۷ء کو اس نے یہ تمام ساز و سامان مشرقی جرمنی کی روسی سرحد تک پہنچا دیا۔ ہزاروں یہودی سپاہی ٹراٹسکی کی قیادت میں وہاں پہلے سے موجود تھے، وہ سب ان اسلحوں سے مسلح ہو گئے اور کسانوں کی بہت بھاری تعداد کو اپنے ساتھ ملا کر دستوں کی صورت میں روس میں گھس گئے۔ شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ زار کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور لینن کی صدارت میں ایک نئی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو یہ اعلان سنایا۔ ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد ہی ایک قرارداد پاس ہوئی جس میں فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن قرار دیا گیا تھا پھر نومبر ۱۹۱۷ء ہی میں اعلان بالفور سامنے آیا جو روتھشیلڈ ایک یہودی سرمایہ دار اور مسٹر بالفور وزیر خارجہ برطانیہ کے درمیان دوستانہ روابط کا نتیجہ تھا۔ اسی کا کرشمہ تھا کہ یہودی مساعی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ یہودیوں نے اتحادی طاقتوں سے سرکاری طور پر ایک ایسا عہد اگلوا لیا جو یہودیوں کی خواہشوں اور آرزوؤں کو بخوبی شرمندۂ تکمیل کرنے والا تھا۔ ہر چند کہ مسٹر بالفور نے اپنے دوست روتھشیلڈ کو لکھا کہ فلسطین کے اندر یہودیوں کا قومی وطن اس شرط پر وجود میں لایا جا سکتا ہے کہ اس سے دوسری غیر یہودی اقوام کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

روس میں کمیونسٹ انقلاب کی تاسیس کرنے والے بیشتر یہودی تھے، لینن، اسٹالن کی بیوی روزا، ٹراٹسکی، کامنیف، سوکولنیکوف، لانکوف اور زینوویف سب یہودی تھے، البتہ اسٹالن، مولوٹوف، اور فوروشیلوف یہودی نہ تھے۔ ایک سال بعد لینن نے جو وزارت بنائی تھی اس میں پانچ سو تینتیس اشخاص میں چار سو پچیس یہودی تھے، پھر یہودیوں کا یہ غلبہ آغاز ہی تک محدود نہ تھا بلکہ ۱۹۲۵ء میں ایک روسی مصنف نیتا آزمی کو لیفا نے لکھا تھا کہ سوویٹ یونین میں یہودیوں کی تعداد ایک فیصد سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور شعبہ نشر و اشاعت کے اہم مناصب پر ۹۰ فیصد انھیں کا غلبہ ہے اور پارٹی کے دستوری مناصب ۹۰ فیصد انھیں کے قبضے میں ہیں، نائب وزیر اعظم اور سوویت اقتصادی مجلس کا صدر ایک یہودی ہی ہے جسے سوویت یونین کے سورما کا لقب مل چکا ہے مزید برآں سپریم سوویٹ کا صدر پریزیڈنٹ بھی یہودی ہے۔

اسٹالن اگرچہ یہودی نہ تھا لیکن در پردہ یہودیوں کی حمایت کرتا رہتا تھا، یالٹا کانفرنس ۱۹۴۵ء میں تین سربراہوں چرچل، روزویلٹ اور اسٹالن کے مابین جو خفیہ مذاکرات ہوئے ان کی روداد پڑھئے اور اسٹالن کی اسرائیل نوازی پر عش عش کیجئے، صدر روزویلٹ کے ایک قریبی سیاست داں جانگ ریلی

کا بیان ہے کہ اس وقت اسٹالن اپنے برطانوی اور امریکی رفقاء کی نسبت یہودیوں کے معاملہ میں زیادہ جذبات ہمدردی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا رہا وہ کہتا تھا کہ یہ مظلوم قوم جس کے تیس لاکھ افراد مشرقی یورپ میں اور ڈھائی لاکھ افراد مغربی یورپ میں جرمن گسٹاپو کی تیغ ستم کا شکار ہوئے ہیں، جان سوریل اپنی کتاب "یالٹا سے پوٹسڈم تک" میں لکھتا ہے:

"سوویت یونین کے سربراہ اسٹالن نے مطالبہ کیا کہ جرمنی پر عائد کردہ تاوان کو دگنا کیا جائے اور یہودیوں کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ فلسطین کے اندر تیس لاکھ یہودی مہاجروں کی آبادی بہتر کر سکیں جو سوویٹ یونین اور مشرقی یورپ سے وہاں ہجرت کر گئے ہیں، مگر چرچل نے بڑے لچک دار ڈپلومیٹک اسلوب میں اسٹالن کو جواب دیا۔ فلسطین کا شاداب علاقہ بہت تنگ ہے، تیس لاکھ یہودیوں کی اس میں گنجائش نہیں ہے، یہودیوں کی ہجرت پر سے پابندی اٹھا لینے کے بعد عرب ممالک کے اندر ہنگاموں کی لہریں اٹھ کھڑی ہوں گی اور فلسطین جیسے نازک مقام کے معاملے میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز کشمکش کا آغاز ہو جائے گا۔ یہ تمام نہایت پیچیدہ مشکلات ہیں برطانیہ بین الاقوامی تعاون کے بغیر تنہا ان مشکلات کو حل نہیں کر سکتا، اسٹالن یہ جواب سن کر مسکرا دیا اور کہنے لگا، مشرقی اقلیتوں کی مشکلات صرف اس صورت میں حل ہو سکتی ہیں کہ اشتراکی نظام کو وہاں رائج کیا جائے، یہ نظام قومی تحریکوں کو ختم کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، ہم نے اس نظام کی بدولت ان تمام قومی تحریکوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے جو سوویت یونین کے اندر پائی جاتی تھیں اس طرح ہم نے سوویت یونین کو تمام مصائب و مشکلات سے آزاد کرا دیا ہے، روزویلٹ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا، ہماری معلومات کے مطابق اشتراکی نظام کے اصول و مبادی یورپ کے یہودی فلاسفروں نے وضع کئے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ یہ نظام یہودیوں کی منتشر اور پراگندہ قوم کی مشکل کا حل فراہم نہ کر سکا میرے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک بین الاقوامی کمیٹی بنائی جائے جو فلسطین کے عمومی حالات کا مطالعہ کرے اور عربوں اور یہودیوں کے مسائل سمجھ کر ان کے لئے پُرامن حل تجویز کرے۔"

یہ مندرجہ بالا گفتگو اس مرحلہ پر ہوئی تھی جبکہ صیہونی لیڈروں کی ایک کمیٹی نے اس کانفرنس میں پیش کیا تھا اس مرحلے میں صیہونیوں نے مطالبہ کیا تھا کہ:-

۱- جرمنی پر مالی تعاون عائد کیا جائے (اس مالی تعاون کی مقدار ۵ ارب ڈالر تجویز کی گئی) اور یہ تاوان ان یہودیوں میں تقسیم کیا جائے جنہیں شدید نقصانات پہنچے ہیں خواہ وہ اس وقت یورپ میں موجود ہیں اور خواہ وہ جو امریکا اور فلسطین چلے گئے ہیں۔

۲- فلسطین کی طرف یہودیوں کی ہجرت پر تمام پابندی اٹھا دی جائے۔

۳۔ یہودیوں کو اپنا مخصوص سیاسی وجود تشکیل دینے کے لئے ہر طرح کی امداد دی جائے۔

یہ بات بھی قطعی طور سے ثابت ہے کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ میں یہودیوں نے جو اسلحہ استعمال کیا وہ انھیں زیادہ تر مشرقی یورپ کے ان ممالک سے ملا تھا جن پر کمیونسٹوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد غلبہ پالیا تھا۔ ماسکو کے حکم سے یہودی ایجنسی کو جو موسیٰ شاریٹ کی قیادت میں حصول اسلحہ کے لئے گئی تھی، یہ اجازت دی گئی کہ وہ رومانیہ اور یوگوسلاویہ کے بحری جہازوں پر اپنی ضروریات کا جنگی سامان لاد کر حیفا کی بندرگاہ تک پہونچائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کمیونسٹ ممالک اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرتے اور بھاری اسلحہ اور ہوائی جہازوں سے انہیں کمک نہ پہونچاتے تو اس جنگ کے دوسرے مرحلے (جولائی ۱۹۴۸ء) میں یہودی ان دور دراز علاقوں میں ثابت قدم نہ رہ سکتے تھے جو تقسیم کی قرارداد میں شامل نہ تھے مثلاً صحرائے نقیب، یافہ اور گلیل کا مغربی حصہ وغیرہ۔ اسلحہ کی سپلائی کے ساتھ ہی اس سازش کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے جو جنگ بندی کے نام سے جون ۱۹۴۸ء میں یو این او کے اندر عربوں پر ٹھونسی گئی۔

کشتِ عالمِ اسلام میں کمیونزم کی تخم ریزی کرنے والے یہودی ہیں

آج عالم اسلام میں جتنی بھی اشتراکی تحریکیں موجود ہیں ان کا جائزہ لیجئے، آپ دیکھیں گے کہ ان کی بنیاد ڈالنے والے یہودی ہیں، انھوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے اشتراکیت کو آلۂ کار بنایا ہے، وہ طبقاتی مساوات، معاشی برابری، غریبوں کے حقوق کے تحفظ جیسے دلفریب نعروں اور دعووں کے پس پردہ اپنے رذیل اغراض پورا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۹۲۱ء میں اسکندریہ میں جوزف روزنبرگ نامی ایک یہودی روسی اور اس کی بیٹی شارلوٹ نے روسی یہودیوں کو اکٹھا کیا اور انھیں ایک تنظیم کے اندر پرو دیا، پھر وہاں کے مقامی باشندوں کو شامل کر کے کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل کی۔ پھر ۱۹۴۳ء میں ماسکو نے دو افراد پر مشتمل ایک وفد روانہ کیا پھر ایک یہودی مصری ہنری کوریل کو نمائندہ بنا کر بھیجا، اسے کافی سیم و زر کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا، چنانچہ اس نے آزادی وطن کے لئے ڈیموکریٹک پارٹی قائم کی (H.T.D.L) رسالہ "شعلہ" جسے لینن نے جاری کیا تھا اس کی سرارت کی ذمہ داری ایک یہودی عورت ایلی شوارتز پر ڈال دی گئی، پھر اس کا نام بدل کر "مختم" (نحو حزب شیوعی یعنی "کمیونسٹ پارٹی کی طرف") کر دیا گیا۔ تنظیم "الفجر الجدید" کے بانی یوسف درویش اور ریموں ڈیوک یہودی ہی تھے، پھر اس کا نام بدل کر "الجبهة الديمقراطية الشعبية" کر دیا گیا۔

مصری کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد ڈالنے والے یہودی

اور یہ ت اصلاک کی زوجہ سالمیون صدقی نے رکھی، عراق میں کمیونسٹ پارٹی کے بانی، ساسون دلال، ناجی شمیل، صدیق یہوذا اور یوسف حزقیل ہیں جو سب کے سب یہودی اور آج عراقی کمیونسٹ پارٹی کے قائدین میں سے ہیں۔

شام اور لبنان میں پولینڈ کے ایک یہودی باشندے جوزف برگر کے ذریعے ہی ان تحریکوں کا آغاز ہوا، پھر موسکو نے ایک دوسرے شخص یلیاہو تابیر کو متعین کیا پھر نمبیرا یہودی ناحمان لیشنسکی اس پر مامور ہوا، آخر میں شامی لبنانی کمیونسٹ پارٹی کی صدارت ایک یہودی جاکوب تیپر کے حصہ میں آئی

اردن میں پہلے کمیونسٹ پارٹی نہ تھی لیکن ۱۹۴۸ء کے بعد یہودی کمیونسٹ پارٹی «رالحام» نے فلسطینی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی جن میں سرفہرست نصرانی اشتراکی فواد نصار تھا جس کے انتقال پر دو سال قبل اسرائیلی کمیونسٹ پارٹی کے صدر نے تعزیتی کلمات لکھے تھے اور ایک تعزیتی اعلان بھی منتشر کیا تھا

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ سوویت روس ہمارا ساتھ ان پسندانہ دشمنی میں یہ رکھتا ہے کیونکہ وہ واحد ملک ہے جو مسلسل آزادی وطن تحریکوں کی حمایت کرتا ہے لیکن اس کی تردید کیلئے روسی قطر ... کی اتنی ہی کی وہ تردید کافی ہے جو اس نے ۱۹۶۴ء میں اسرائیلی اخبار معاریف کے ایڈیٹر سے ملاقات کے وقت کی تھی، جب ایڈیٹر نے پوچھا تھا کہ آخر آپ حضرات مصر اور عالم عرب کو اسلحہ کی سپلائی کیوں کرتے ہیں کیا اس سے ہمارے مقاصد کو نقصان نہیں پہونچے گا؟

۲۲ جولائی ۱۹۶۶ء کو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ:-

"ہم عربوں کا ساتھ صرف اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ استعمار اور عربی رجعیت کا بھرپور مقابلہ کرسکیں جمہوریہ متحدہ عرب کا تعاون صرف اس لئے ہے کہ وہ رجعیت پسند عرب تحریکوں کو ملیا میٹ کرسکے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اسرائیل کے خلاف ان ہتھیاروں کے استعمال پر خاموش رہ سکیں گے، عالم عرب میں سوویت روس کی سیاست سے آپ حضرات پریشان نہ ہوں، یہ تو اسرائیل کی صحت، سلامتی اور وجود و بقا کے لئے ضروری ہے، آپ مطمئن رہیں، سوویت یونین آج بھی اسرائیل کی اسی طرح حمایت کرے گا جس طرح اس نے ماضی میں کی ہے، ہماری طرف سے آپ کو کامل اطمینان ہونا چاہیئے کہ ہم عربی اشتراکیت کی ہم نوائی اسرائیل کے مفادات کی خاطر کررہے ہیں، جس طرح خود ہمارا اپنا مفاد پیش نظر ہے"

اور کامریڈ گرومیکو کی عرب دشمنی تو مشہور ہی ہے جب اقوام متحدہ کے ہنگامی اجلاس ۲۸ اپریل سے ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء تک میں فلسطین کا مسئلہ زیر بحث آیا تو مشرقی بلاک نے روسی نمائندے کامریڈ گرومیکو کے زیر قیادت اپنی ساری طاقت اس بنیادی نقطے پر مرکوز کئے رکھی کہ کسی طرح اقوام متحدہ سے فلسطین میں یہودی وجود کی قانونی حیثیت کو تسلیم کروالیا جائے۔

عرب ممالک کے مندوبین نے اس اجلاس میں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں اقوام متحدہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ فلسطین سے برطانوی انتداب اٹھا دیا جائے اور فلسطین کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔

اس مطالبے کے جواب میں روسی نمائندے گرومیکو نے عرب نمائندوں پر تند و تلخ حملہ کیا، ۲۹ اپریل کے اجلاس میں اس نے واشگاف الفاظ میں کہا :-

"فلسطین میں یہودی قوم اپنا وجود رکھتی ہے، اس قوم کے احساسات کا لحاظ اور اقوام متحدہ کے اندر اس کی آواز پر کان دھرنا ضروری ہے، اقوام متحدہ کی کوئی طاقت اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی کہ وہ کوئی ایسی قرارداد منظور کرے جو عربوں کے مطالبے کی حمایت میں فلسطینی قوم کے استقلال کے اعلان کی تائید کرے۔"

۲ مئی کے اجلاس میں اس نے کہا :-

"فلسطین کا جھگڑا بلحاظ ذات خود اور اپنے تاریخی مزاج کی رو سے یہ لازم ٹھہراتا ہے کہ یہودیوں کو اس جھگڑے کے حل میں شرکت کا موقع دیا جائے۔ یہ جھگڑا در اصل یہودی قوم ہی کا مسئلہ ہے۔"

گرومیکو کی تائید کرتے ہوئے چیکوسلواکیہ کے کمیونسٹ نمائندے جان بابانک نے کہا

"یہودی قوم کے مطالبات عین حق و انصاف ہیں یہودیوں نے برطانوی انتداب سے طویل مدت پہلے فلسطین کی تعمیر و آباد کاری شروع کر دی تھی فلسطین پر یہودیوں کے حقوق نہ صرف تاریخی طور پر درست ہیں بلکہ قانوناً بھی صحیح ہیں۔"

پولینڈ کے کیمونسٹ نمائندے جوزف ونیوٹز نے اپنی باری آنے پر کہا :-

"حقیقۃً فلسطین کے بارے میں کسی فیصلہ پر بھی اس وقت تک غور و خوض نہیں کیا جا سکتا، جب تک جنرل اسمبلی کی کارروائیوں میں یہودی ایجنسی کا حق نہ دیا جائے، پولینڈ کی حکومت یہودی قوم کے مفادات اور اس کے مستقبل سے پوری دلچسپی رکھتی ہے۔"

سیاسی کمیٹی کا اجلاس ایک ایسی قرارداد پر ختم ہوا جس میں یہ طے کیا گیا کہ مسئلہ فلسطین کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے ایک بین الاقوامی کمیٹی تشکیل کی جائے۔

گرومیکو نے اس اجلاس میں اسٹیج پر چڑھ کر اعلان کیا۔

"یہودی قوم جینے کے لئے پیدا ہوئی ہے اسی طرح دیگر قوم[illegible] زندگی کے لئے جد و جہد کر رہی ہیں، یہود[illegible]ں اور اکھیڑ پچھاڑ اور تعذیب و تشدد کا نشانہ بنتے رہے ہیں، اب اقوام متحدہ کا فرض ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو پورا کرے اور فلسطین میں ان کے حقوق کو تسلیم کرے، فلسطین اس قوم کی تاریخ اور عمیق تہذیب کا گہوارہ ہے، عالمی تحقیقاتی کمیٹی کا بھی فرض ہے کہ وہ اس ملک میں یہودی قوم کے حاصل کردہ حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھے۔"

سلامتی کونسل کے اجلاس سے تھوڑی دیر پہلے امریکی حکومت نے ایک خفیہ اجلاس میں تقسیم فلسطین کی قرارداد سے دستبردار ہو جانے کا فیصلہ کیا اور

طے کیا کہ فلسطین کو بین الاقوامی تولیت میں دینے کی تجویز زیر بحث لائی جائے، امریکی حکومت نے اپنے نمائندہ مسٹر آسٹن کو ہدایت کی کہ وہ اس تجویز کو سرکاری طور پر کسی موزوں اجلاس میں پیش کرے، امریکی نمائندے نے جب یہ تجویز سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی تو روس کا نمائندہ گرومیکو اس تجویز پر برس پڑا۔ اس نے کہا :۔

"نئی تجویزوں اور حلوں کی تلاش میں تضیع اوقات سے کچھ حاصل نہیں ہے، تقسیم ہی قابلِ قبول حل ہے یہی حل یہودی قوم کو جو ماری ماری پھرتی ہے اور طرح طرح کے مصائب میں گھری ہوئی ہے، استقرار بخش سکتا ہے اور فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کی ضمانت دے سکتا ہے، سلامتی کونسل کو کسی ایسی قرارداد کے اندر ترمیم یا تبدیل کا کوئی حق نہیں، جسے جنرل اسمبلی منظور کر چکی ہو، امریکہ نے جو نئی تجویز پیش کی ہے یعنی تقسیم کے بجائے فلسطین کو بین الاقوامی تولیت میں دینے کی تجویز، اس سے اس کا مقصد صرف عربوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تاکہ امریکہ اپنے تیل کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔"

اقوام متحدہ میں یوگوسلاویہ کے نمائندے نے گرومیکو کی رائے پر زور دیتے ہوئے کہا :۔

"ہم فلسطین کی تجویز قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں فلسطین یہودیوں اور عربوں دونوں کا وطن ہے، یہود اگر فلسطین کے اندر اشتراکی اور جمہوری نظام زندگی کو رواج دیں گے تو اس سے خود عربوں کو بھی استفادے کا موقع ملے گا جو اس نظام کے شدید حاجت مند ہیں عربوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کی قربانیوں کی قدر کریں اور بے سود دشمنی سے باز آجائیں۔"

بولوتیا کا نمائندہ کہتا ہے :۔

"استعمار کے خلاف جنگ میں عرب اور یہود دونوں کے لئے بے شمار فوائد ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر امریکہ اسرائیل کو اسلحہ کی سپلائی کرتا ہے تو ہتھیار فراہم کرنے کے لئے امداد روس سے ملتی ہے، کمیونسٹ ہی تمام واقعات و حادثات میں قیادت کرتے ہیں وہ شروع سے یہودیوں پر شفیق رہے ہیں اور یہودیوں کی سیاست کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے، اس لئے کہ کمیونسٹ انقلاب از اول تا آخر یہودی انقلاب ہے۔"

اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ مغربی اور مشرقی دونوں بلاکوں نے مل کر اسرائیل کی تشکیل کی ہے دونوں عالم اسلام کے خلاف ہیں اور در پردہ یہود کی ہم نوائی اور پشتیبانی کر رہے ہیں، ان میں سے کوئی بھی عالم اسلام کا حقیقی بہی خواہ نہیں ہے۔

قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے عالم اسلام کے رہنماؤں سے اپیل کی ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے خونچکاں داستان کو روکنے کیلئے جدوجہد کریں سید مودودی نے تمام اسلامی تنظیموں کے نام ایک برقیہ روانہ کیا ہے جسے اسلام آباد ریڈیو اسٹیشن نے نشر کیا ہے برقیہ میں کہا گیا ہے کہ جمشید پور کے حالیہ فساد میں تقریباً ۵۰۰ مسلمان شہید اور ایک ہزار اشخاص زخمی ہوئے ہیں۔

(اخبار العالم الاسلامی مکہ مکرمہ ۲۳ اپریل ۱۹۶۴ء)

ادارۂ ادب متحرک ہو رہا ہے

اردو کی موجودہ ادبی رفتار اور فکری میلانات کو دیکھ کر اردو اور انسانیت کے ہر بہی خواہ کو سخت تشویش ہوتی ہے، ذہنی اور فکری اعتبار سے افراتفری، عدم توازن، بے راہ روی اور انتشار، موجودہ ادب کا خاصہ بن گیا ہے، عقیدہ اور اقدار سے تنفر، حق و صداقت سے بے رخی اور خیر و صالحیت سے بے نیازی افسوسناک حدود میں داخل ہو چکی ہے۔

اس عہد کے قلم کار اور ادیب کا، معاشرے اور تہذیب سے تعلق تیزی سے ٹوٹ رہا ہے۔

فکر و فن اور ادب و تہذیب کے باہمی رشتے کے بارے میں آج کا ادیب سخت ذہنی انتشار میں مبتلا ہے۔

اس کے نتیجے میں اس عہد میں جس طرح کا ادب عالم ظہور میں آ رہا ہے وہ حقائق کی بنیادوں پر استوار نہیں ہے، اور یہ فرد و معاشرے کی الجھنوں میں اضافہ کا موجب ہو رہا ہے، چنانچہ اس عہد کے اردو ادب کے قارئین کا حلقہ بھی روز بروز محدود ہوتا جا رہا ہے، ادیب و شاعر کو خود اپنی ذہنی الجھنوں کا شکار اور اپنی نا آسودہ آرزوؤں پر ماتم کناں دیکھ کر افراد معاشرہ ادب کے مستقبل سے مایوس ہیں اور معاشرے میں ادب کی جڑیں روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔

مزید افسوسناک بات یہ ہے کہ موجودہ ادب ظلم و جبر کے خلاف انسانی جد و جہد اور آزادی و مساوات کی ہر سطح پر جد و جہد اور کامل معاشرتی عدل کے قیام کے معاملہ میں انسانی قافلے کی مدد کرنے سے بھی معذور ہو چکا ہے اور فکر و احساس کی ایک مصنوعی دنیا میں سانس لے رہا ہے۔

چنانچہ ادب میں توازن کو بروئے کار لانے (نئی) آداب اور تہذیبی اقدار کے درمیان مکمل ارتباط

قائم کرنے، فن کی جمالیات کو فکر کی اخلاقیات سے ہم آہنگ کرنے، ادب کو اس عہد کے سنگین اقتصادی تہذیبی اور روحانی عدم توازن کا حل تلاش کرنے اور ایسی تمام شعوری کوششوں کو تقویت پہونچانے کے لئے فکر و جذبات کی فضا پیدا کرنے کی خاطر ہم صالح اور تعمیری رجحانات رکھنے والے اہل قلم ادارۂ ادب کو متحرک بنانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

"ادارۂ ادب" نے ماضی میں خدا پرستی انسان دوستی اور ملت، حب وطن اور حمایت مظلوم کے ارفع جذبات سے فنکاروں کی ایک پوری نسل کو سرشار کیا تھا، انھیں حظ نفس اور شہرت کے شیدائی اہل قلم کی صفوں سے نکال کر ایک عظیم مشن کا حامل بنایا تھا اس مشن کا حامل بنایا تھا جس کی راہوں میں صدیوں کی قابل فخر ادبی قافلوں کے نقوش قدم ملتے ہیں، اسی مشن نے گذشتہ ایک نسل کے مضطرب فن کاروں کے اندر وہ تاریخی شعور پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ انسانی نسلوں کے موجودہ قافلے کو تمدن سے وحشت کی طرف سفر معکوس سے روک سکے اور تنگ نظری خود غرضی اور خود پسندی کے عذاب سے فرد کو نجات دلانے میں بھرپور جد وجہد کر سکے، انھوں نے ایک ایسے صالح تمدن کے خد وخال ابھارے جس میں مادی وسائل کے ساتھ انسانی اعلیٰ قدروں کو بھی نشو ونما اور کھا۔ حاصل ہو، جو نفس انسانی کی تہذیب و تزئین ہو اور فرد کا داخل اور خارج دونوں اس کی تربیت اور ارتقا کے لئے ساز گار ہو سکے۔

آج وقت کا یہ اہم تقاضا ہے کہ "ادارۂ ادب" اپنے ماضی کے اس تابناک رول کو ادا کرنے کے لئے متحرک ہو جائے، اس لئے کہ اس وقت فرد اور انسانی معاشرہ، دونوں کو ایسی نمو آفریں اقدار کی ضرورت ہے جن کے سائے میں انسان اپنے شعوری تجربات کو وہ ترتیب معنی اور مفہوم دے سکے جو قدیم وجدید کی قید سے آزاد ہو اور جس میں اتنی [illegible] اور توانائی موجود ہو کہ ہمارے سماج اور تہذیب انسانی کو موجودہ بحران سے چھٹکارا حاصل ہو سکے۔

ہمیں یقین ہے کہ "ادارۂ ادب" اپنے تاریخ ساز رول کے ذریعہ نہ صرف ادب میں قصۂ قدیم وجدید اور مقصدیت، لامقصدیت کے نزاع سے اکتائے ہوئے فنکاروں کو جو مرغ بادنما کی طرح ہوا کے ہر جھونکے پر اپنا رخ بدل دیتے ہیں صحیح فکری رخ دے گا بلکہ ان کو انتہا پسندی، گروہ بندی، بے اعتدالی اور غیر متوازن طرز فکر سے بلند کر کے ادب و زندگی کے لئے صلاح و فلاح کی راہ دکھا سکے گا اور عوام اور ادیب کے درمیان گہرا حقیقی اور پرخلوص تعلق بھی استوار کر سکے گا۔

• اس اعتماد و ایقان کے ساتھ اس منشور کے جلو میں ہم ادارۂ ادب کے احیاء کا اعلان کرتے ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

ڈاکٹر ابن فریہ
پروفیسر عبد المغنی
کیف نوگانوی
ابو المجاہد زاہد
حفیظ میرٹھی
جمال احمد امین آبادی
احمد سجاد
عزیز بگھروی
شبنم سبحانی
سید حامد علی
م نسیم
ڈاکٹر سہیل احمد زیدی

ادارۂ ادب اپنے موجودہ تنظیمی ڈھانچے (صدر، جنرل سکریٹری اور مجلس اعلیٰ) اور اس عبوری پروگرام کے ساتھ سرگرم عمل ہوگا

فی الحال ایک مرکزی نظم کے ذریعہ پھیلے ہوئے اہل قلم کو ہمنوا بنانا اور موجودہ نو وارد ساتھیوں سے رابطہ پیدا کرنا۔

ان میں باہمی ربط قائم کرنا

اور جہاں سابقہ تنظیم موجود ہوں ان سے تعلق جوڑنا اور متحرک کرنا

رفتہ رفتہ کل ہند پیمانے پر تنظیمی ربط، ایک ادبی رسالے کا اجراء اور ایک اشاعتی اسکیم کے تحت ایک دار الاشاعت قائم کرنے کا جامع پروگرام

(سید عبد الباری (شبنم سبحانی) جنرل سکریٹری) ادارۂ ادب

مرکزی دفتر:- کاشانہ ۲۰-۱۱-۱۱ یحییٰ گنج لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

بقیہ ثقافت اسلامی کے درخشاں پہلو

وہ اپنے انفرادی و اجتماعی اصولوں میں کسی بیرونی مداخلت سے قطعی بے نیاز ہے، بلکہ وہ زندہ و پائیدار ثقافت ہے جو زندگی کے جملہ اصولوں سے متعلق ہے وہ انفرادی و اجتماعی معاملات کو باقاعدگی سے طے کرتا اور انھیں سلجھاتا ہے۔

آج اسلامی ثقافت (جسے قرآن لے کر آیا ہے) کو اپنانے کی شدید ضرورت ہے، دین و مذہب کو چھوڑ دیجئے، خالص فطرت کی پکار سنئے اور دنیا کی روحانی تشنگی دیکھئے، آج دنیا کی نجات صرف اسلامی ثقافت کو اپنانے میں ہے۔

بقیہ علی میاں اور تحریک اسلامی

مولانا مودودی نے اپنی مندرجہ بالا تحریروں میں انھیں سب چیزوں کی تو مخالفت کی ہے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں پھر آخر مولانا مودودی پر مولانا علی میاں نے تصوف کے کلی انکار کا الزام کیوں عائد کیا ہے؟ اہل علم و نظر مولانا مودودی کی اس حرکت کو کس چیز سے تعبیر کریں۔

ڈاکٹر اقبال نے بڑی عمدہ بات کہی ہے ؎

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریک شورش پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

احسان الحق فلاحی ۔ الہ آباد

ثقافتِ اسلامی کے درخشاں پہلو

کلچر اور ثقافت، تہذیب اور ادب، شاعری اور دوسرے فنون لطیفہ سے مقصدیت اس طرح ختم ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ اسلام کا لفظ چسپاں کرتے ہوئے اجنبیت اور بے گانگی کا کسی قدر احساس ہونے لگتا ہے اور آدمی کے ذہن میں دفعۃً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اب یہاں اس میدان میں بھی نماز روزہ کی مشق کرائی جائے گی اور بقول بعض مسخرہ یہاں بھی جامد و بے روح مذہبیت کو گھسا کر اس فن لطیف کو بھی جمود و تعطل کا شکار بنا دیا جائیگا۔

در اصل یہ تصور اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ایک منظم سازش کے ذریعہ دین و مروت، اخلاق و مقصدیت روحانیت و معنویت کو زندگی کے جملہ گوشوں سے خارج کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے، ترقی پسند ادیبوں کو سب سے پہلے اس کا شکار بنایا گیا ہے، نانِ شکم کے لالچ میں وہ بیچارے اپنی قیمتی تحریروں کو عریانیت، فحاشی، انارکزم اور بے مقصدیت کی بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہو گئے اور پھر ادب، شاعری، کلچر و ثقافت، حضارت و مدنیت اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے حقیقی جمال و جلال کو ختم کر کے سطحی حسن کی نمائش، عریاں جمال کے مظاہرے اور فحش مقاصد کا پروپیگنڈا ہونے لگا، لیکن اب بیسویں صدی کے اس آخری دور میں اس کی حقیقت آشکارا ہو چکی ہے اور ان جملہ بیہودہ سرگرمیوں کو یہودیت کی کارستانی سمجھ کر ان سے اجتناب کیا جانے لگا، اب مسلم نوجوان اسلامی کلچر و ثقافت کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اس کی بالاتری کا علی الاعلان اعتراف و اعلان کرتے ہیں، اب اس دیسے میں متعدد مسلم تحریکیں ابھر چکی ہیں جو مغربی ثقافت کی متبادل اسلامی ثقافت کی رعنائیاں اس کی خصوصیات و امتیازات پیش کر رہی ہیں، زیر نظر مضمون میں اسی طرح کی ایک محمود کوشش کی گئی ہے۔ احمد عبدالرحیم سیاح صاحب نے اس مضمون میں اسلامی ثقافت کے درخشاں پہلو پیش کئے ہیں، یہ مضمون اخبار العالم الاسلامی ۱۲ر فروری ۸۲ء میں چھپا تھا، ہم اس کی تلخیص و ترجمانی افادہ عام کی خاطر پیش کر رہے ہیں۔

ثقافت کا تعلق انسان کے عقل و شعور، فکر و نظر، کردار و عمل اور ذوقیات سب سے ہے، اس کے اثرات ان سب پر مترتب ہوتے ہیں، یہ کسی قوم کے انفرادی و اجتماعی زندگیوں پر بہت گہرا نقش قائم کرتی ہے، اس کی بہتری و خرابی سے من حیث القوم قوم و ملک کی بہتری و خرابی کا اندازہ ہوتا ہے، اسلامی ثقافت کے تمام تر اصول و مبادی قرآن سے ماخوذ اور سنت رسول سے مقتبس ہیں، ہر دور میں باطل چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور تمام ہی بحرانی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت قرآن میں بدرجۂ اتم موجود ہے

اسلامی ثقافت وہ عالم گیر ثقافت ہے جس کی امتیازی خصوصیت، جامعیت، اعتدال پسندی، زندگیوں میں نمایاں تبدیلی پیدا کرنا اور معاشرے میں تعمیری افکار و کردار پیدا کرنا ہے۔ اس کے اندر فعال اور متحرک روحانی طاقت بھی موجود ہے جو انسانی انفرادی و اجتماعی زندگی کو نکھارتا ہے، پھر اس کی یہ فعالیت انسانی زندگی میں پیش آنے والے روز مرہ حالات کی اصلاح و تعمیر میں بھی ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

یہ ثقافت انسان کی دنیا و آخرت دونوں سے بحث کرتی ہے جبکہ دوسری ثقافتیں یا تو صرف مادیت پر زور دیتی ہیں یا روحانیت محض کو اپنا مرکز و محور قرار دیتی ہیں اور اسی وجہ سے وہ ناکام ہیں، لیکن اسلامی ثقافت مادیت و روحانیت کا بہترین سنگم اور دنیا و آخرت دونوں کی جامع ہے، اسی وجہ سے یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور کامیاب و کامران ہے، اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ اسلام نے جامع اور ہمہ گیر تمدن کی بنا ڈالی، جہاں اس نے عبادت و روحانیت کے گوشے سنوارے، انھیں بے اعتدالیوں سے پاک و صاف کیا، وہیں سیاست و جہانبانی کی زلفیں بھی سنواری ہیں۔ مادیت و حکومت کے طریقوں اور اصولوں کو بھی آراستہ و پیراستہ کیا ہے، اس میدان میں جہاں آپ کو اقلیم زہد و عبادت کے شہنشاہ ملیں گے وہیں سیادت و قیادت کے تاجدار بھی نظر آئیں گے چونکہ اسلام ایک سچا اور صدق و وفا پر مبنی اصولوں کا مذہب ہے اس لئے یہ انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں ان اصولوں کو نافذ بھی کرانا چاہتا ہے، انھیں کی روشنی میں افراد کی تربیت کرتا اور اشخاص و ملل کی رہنمائی کرتا ہے، اس ثقافت کا بنیادی قاعدہ یہ رونما ہوتا ہے کہ افراد زندگی کی قدر و قیمت پہچان جاتے اور اور اپنی خودی کے آپ نگہبان بن جاتے ہیں انھیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جاتا ہے معاشرے میں الفت و محبت، اخوت و یگانگت اور بھائی چارگی کی فضا بن جاتی ہے، لوگ ایک دوسرے کے معاون و مددگار اور دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں، یہاں سوسائٹی کی تعمیر کا انحصار افراد کی ذہنی و عملی تربیت پر ہے اور افراد کی اصلاح معاشرے کی بہتری اور صالحیت پر ہے، دونوں ایک دوسرے کی اصلاح و تعمیر کے ذمہ دار ہیں یہاں کمیونزم کی طرح جبر کا اصول کارفرما نہیں

کہ محض دباؤ سے افراد کو ان اصولوں کا پابند بنایا جائے اور کمیونزم کی طرح بے قید اباحیت کی بھی رخصت نہیں کہ انسان شتر بے مہار بن جائے بلکہ دونوں کا بہترین امتزاج ہے، پہلے ذہنی تعمیر کا مرحلہ آتا ہے، پھر سرکشی و بغاوت اور انحراف و مستعدی [illegible] کو قانونی تکنیک کے ذریعہ فرو کیا جاتا ہے، اس طرح دنیا کے دوسرے مذاہب و نظریات سے ممتاز ہے۔

اسلامی ثقافت کی ایک بنیادی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ تمام تر وحی ربانی پر مبنی ہے، یہ علیم و خبیر ہستی کے مرتب کردہ اصولوں پر مشتمل ہے، اسی وجہ سے بے عیب ہے اور جسمانی و روحانی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ یہ رہبانیت کا سبق دیتی ہے نہ بار بار یہ کوشش کہ عالم دوبارہ حیوانیت کے نظریہ کو صحیح سمجھتی ہے یہاں حرکت و انقلاب ہے، سعی و جہد اور مسلسل کوشش ہے۔

اس کی ایک امتیازی صفت یہ بھی ہے کہ یہ پوری نوع انسانی سے مخاطب ہے اور عالمگیر اصول رکھتی ہے۔ دنیا کے تمام انسانوں کا تزکیہ کرنے اور انھیں فلاح و بہبود سے ہم کنار کرنے کا عزم لے کر اٹھی ہے۔ انگریز عالم بورک کہتا ہے :-

" وہ مسلمان جو اپنی زندگی کو قرآنی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا چاہیں ان کے لئے قرآن ایک مکمل دستور ہے قرآن کے سلسلہ میں مسلمانوں کا یہ دعویٰ بالکل حق ہے کہ وہ [illegible] اقتباسات اور انسانی خطاؤں سے بے عیب ہے اس کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ قرآن مجید نازل ہوئے تیرہ صدیاں بیت گئیں لیکن اس میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی بلکہ پیغمبر اسلام کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی تمام آیات بالکل اپنی اصلی ایڈیشن میں آج بھی محفوظ ہیں اور یہ انسانی مداخلت سے پاک ہیں اور یہ صفت اس کے علاوہ اور کسی دوسرے دین میں نہیں پائی جاتی "

قرآن کریم کی قیامت تک حفاظت کا وعدہ اور اس کے بے نقص و بے عیب ہونے کی یہ صفت اسلامی تعلیمات کو اور زیادہ مستحکم بنا دیتی ہے اور ہر مسلم فرد کو اپنی ذمہ داریاں پہچاننے اور انھیں کما حقہ ادا کرنے پر مہمیز کرتی ہے اس سے اس کے اندر تقویٰ اور صلاح و درستگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسلامی ثقافت فکر سلیم اور عمل ثابت کو انسان کی سعادت و کامرانی اور اخروی و دنیوی نجات کا ذریعہ قرار دیتی ہے اور تمام انسانوں پر یہ فریضہ عائد کرتی ہے کہ وہ برحق اور مفید کام ہی کریں چاہے اس راہ میں مشکلات و مصائب کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے، راستی پر قائم رہنے کی یہ ذمہ داری اور فرض کا یہ احساس ہماری شخصیت کی تعمیر اور کردار سازی میں بہت معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے، صبر و ثبات اور خدا پر اعتماد انسان کو بہادری و مردانگی میں یکتا اور عزیمت و للہیت کا مثالی نمونہ بنا دیتا ہے۔

اسلامی ثقافت کی بلندی و بالاتری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یہ ہمیشہ انسان کے بلند جذبات کو

خطاب کرتی، اس کے عزمِ خفتہ کو بیدار کرتی اور مضمحل ارادوں کو حسن نمو بخشتی ہے، وہ پاک و طیب اور حلال چیزوں کی قدر دانی کا شعور عطا کرتی ہے، وہ انسان کے ترک و اختیار میں خدا ترسی، یقینِ آخرت اور اخلاقی اصولوں کو کسوٹی قرار دیتی ہے، دوسروں کی لغزشوں سے اغماض، برائیوں سے اعراض اور اسراف و تبذیر سے اجتناب کی تلقین کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرہ ہمیشہ قابلِ عزت اور لائقِ احترام سمجھا گیا ہے، پیڈ بولڈ ولیس (علامہ محمد اسد) ایک جگہ لکھتے ہیں: —

"تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ تمام انسانی ثقافتیں اور مدنیات نامیاتی ارواح کی مانند اعضاء و جوارح رکھتی ہیں، جو عمر و زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتی نشوونما پاتی اور آخر میں مضمحل ہو جاتی ہیں، اسی طرح ثقافتیں بھی ابتدائے کار میں خوب کھلتی پھولتی ہیں، ہر طرف انہیں کا شہرہ ہوتا ہے، زندگی کے ہر شعبے پر انہیں کی چھاپ پڑ جاتی ہے لیکن انجام کار میں گھٹتی گھٹتی ختم ہو جاتی ہیں، لیکن کیا اسلامی ثقافت بھی اسی نوعیت کی ہے؟ بکثرت ایسے مناظر و مشاہدات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ انسانیت کی بیداری اور ترقی و ترفع میں اسلام کا شاندار پارٹ سامنے آتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی اسلام نے قوموں کے طرزِ حیات، طرزِ معاشرت، آدابِ جہانبانی اور جنگ و جدل میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا اور تہذیب و تمدن سے ناآشنا قوموں کو تہذیب اور مدنیت میں سب کے لئے قابلِ تقلید بنا دیا ہے، اس کے مقابلے میں تہذیبِ جدید اپنی جملہ ترقیوں اور کامرانیوں کے باوجود اپنے کو اسلامی ثقافت سے بے نیاز کر کے انسانیت کے لئے کوئی مفید کارنامہ انجام نہ دے سکی، اسلام کی طرح عالمی اخوت، ایثار و خلوص اور ہمدردی و مساوات پر مبنی کوئی مثالی معاشرہ تشکیل نہ دے سکی، یا انسان کے خدائی رشتے کو مستحکم نہ کر سکی اور اس کی روحانی ترقی اور کردار کے ارتقاء کے لئے کوئی قدم نہ اٹھا سکی ہے۔

اسلام کے الہامی ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج سے چودہ صدی پہلے اس نے ان تمام سائنسی ایجادات اور فنی اختراعات کی پیشینگوئی کر دی تھی جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر انسانی تعمیر و ارتقاء کے دوران جس قسم کی غلطیاں اور لغزشیں ممکن ہو سکتی تھیں، اسلام نے چودہ صدی پہلے نہ صرف ان کی نشاندہی کر دی تھی بلکہ اس کے تدارک کے طریقے بھی بتا دئے تھے، اہم دینی جذبہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خالص عقلی و مادی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے، اسلام کی اتباع اور اطاعت کرنے والے دنیوی اور اخروی تمام خوبیوں کو اپنے اندر پاتے ہیں۔"

اسلامی ثقافت اس ترقی یافتہ دور میں بھی کسی تبدیلی اور ترمیم کی محتاج نہیں ہے،

از مصنف مبارک پوری

اردو ایک حسینہ!

امین حسنِ تکلم مری زباں کہیے
سرور و کیف کی رنگیں داستاں کہیے

زر و گہر سے مرصع ہے گویا ہر فقرہ
ہر ایک لفظ کو ناظورۂ زماں کہیے

نمودِ حسن عروس کی ہو جیسے پہلی شب
یہ اپنے رنگ میں رہتی ہے یوں عیاں کہیے

شگفتگی کا یہ عالم ہے یہ رنگ بوقلمونی
کسی کی شوخ جوانی کا عنفواں کہیے

زبانِ اردو کا ہر لفظ اتنا دلکش ہے
اسے مرقعِ خوبانِ دلستاں کہیے

شگفتہ گل سے بھی ہے شان اس کی فرحت
وہ رنگِ حسنِ ادا ہے کہ جانِ جاں کہیے

ہے رمزِ عشق و محبت کی صورتِ رنگیں
سرورِ حسنِ نظر کا اسے بیاں کہیے

یہ جو کہ حسنِ تخیل کو لفظ دیتی ہے
یہ جس کو رمز و تمنا کی ترجماں کہیے

ہے اس کی زلفِ مسلسل میں قیدِ فکر و نظر
اسے جہانِ ادب کا بتِ جواں کہیے

مرے وطن میں یہ سنگم ہے سارے عالم کا
اسے کمالِ روابط کا اک نشاں کہیے

ہر ایک شہر میں ملتے ہیں آشنا اس کے
ہر ایک شخص کی گویا اسے زباں کہیے

نمودگاہِ تخیل میں اک حسینہ ہے
خیالِ عاشقِ مہجور کا گماں کہیے

سمیٹ دو تو سمٹ جائے مثلِ بحرِ عروض
بکھیر دو تو بکھرنے پہ بیکراں کہیے

ہر ایک لفظ نے صورت بتوں کی پائی ہے
زبانِ اردو کو مجموعۂ بتاں کہیے

جمال و جذب و سرور و شگفتگی مصنف
مری حسینۂ اردو کا کارواں کہیے

ترتیب :— مزمل حسین فلاحی علی گڑھ

ہلنے لگے ہیں بام و در!

اہلِ مغرب — عالمگیر اسلامی تحریک سے خوفزدہ

ایک جرمن مستشرق نے "اسلام مستقبل کی طاقت" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں وہ کہتا ہے :-

"مسلمانوں کے عقیدے کی جڑیں ان کی تہذیب میں بڑی گہری ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس کے ساتھ اگر ان کے پاس دولت، مادی وسائل اور تکنیکی طاقت بھی آگئی تو یہ دنیا کے لئے لعنت بن جائیں گے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے اس طاقت پر کاری ضرب لگائیں"

ایک دوسرا مستشرق براؤن لکھتا ہے :-

"ہم مختلف گروہوں اور جماعتوں سے خوف محسوس کرتے تھے لیکن تجربات نے ثابت کیا کہ ہمارے یہ خوف درست نہ تھے لوگوں نے ہمیں یہودی اشتراکی اور زرد خطرات سے ڈرایا لیکن حالات کا گہرا اور صحیح تجزیہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ان خطرات کی کوئی بنیاد نہیں، ہم نے دیکھا کہ یہودی تو ہمارے دوست ہیں، کمیونسٹ دوسری عالمی جنگ میں ہمارے حلیف تھے، زرد خطرہ کا خاتمہ کرنے کیلئے کئی ملک موجود ہیں ہمارے لئے اصل خطرہ اسلامی نظام ہے اسلام میں پھیلنے اور دوسروں کو قائل کرنے اور مسخر کرنے کی جو صلاحیت موجود ہے اور اس کے اصولوں میں جو توانائی پائی جاتی ہے وہ ہمارے لئے خطرناک ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہماری راہ میں واحد رکاوٹ اور ہمارا اصل حریف اسلام ہے"

کاش اسلام کے علمبردار، اب بھی ہوش میں آجاتے!

روس کے خدشات بڑھ گئے ہیں!

حالیہ ایام کے روسی اخبارات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے حالیہ انقلاب سے روسی حکومت فکرمند ہو گئی ہے۔ اسکو اندیشہ ہے کہ اس کامیاب تحریک سے نہ صرف اس کے سرحدی علاقے متاثر ہو سکتے ہیں بلکہ سوویٹ یونین کے تین کروڑ مسلمان مچل سکتے ہیں اس سراسیمگی کا ایک ثبوت پراودا میں شائع ہونے والے ایک مضمون سے ملتا ہے یہ مضمون آئی الیگزنڈروف کا ہے جو ایک اعلیٰ سطح کے حکومتی ترجمان کا قلمی نام ہے اس مضمون میں اعتراف موجود تھا کہ افغانستان میں روس نواز اشتراکی حکومت کے خلاف ہزاروں مسلمان قبائل نے بغاوت کر دی ہے۔

روسی پریس میں یہ پہلا موقع تھا کہ افغانستان کی روس نواز حکومت کے خلاف بغاوت کی خبر کو شائع کیا گیا تھا

مضمون میں آگے چل کر متنبہ کیا گیا تھا کہ

"سوویٹ روس کی رائے عامہ انقلاب افغانستان کی راہ میں پاکستان ایران اور چین کی جانب سے ہونے والی مسلح اشتعال انگیزیوں اور سازشوں کے ذریعہ مداخلت کی ہر کوشش کو سخت ناپسند کرتی ہے"

(بحوالہ نیوز ویک ۲ اپریل ۱۹۷۹ء)

ایران — حکومت غیر ملکی ایجنٹوں سے بے خبر نہیں!

پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر واقع دونوں مسلم ممالک آج کل اپنی تاریخ کے شدید ترین بحرانی دور سے گذر رہے ہیں، افغانستان کی کمیونسٹ حکومت روس کی مدد سے اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے اور ایران کی انقلابی حکومت مملکت کی نئی تعمیر میں مصروف وہ پرانے نظام کی تمام جڑیں اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے جس نے ایران میں شخصی آزادی کو کلیتاً ختم کر دیا تھا اور ایک اسلامی مملکت کو لادینیت کی راہ پر ڈال دیا تھا۔

حال ہی میں ایران میں سابق شہنشاہ کے دور میں ۱۳ سال تک وزارت عظمیٰ کے مزے لوٹنے والے امیر عباس ہویدا کو اسلامی انقلابی عدالت کی طرف سے موت کی سزا سنائے جانے پر گولی مار دی گئی، ان کے خلاف قتل و غارت گری، غبن، ملکی معیشت کو تباہ کرنے اور مذہب کے خلاف اقدامات کے الزامات میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ ریڈیو تہران کے مطابق عدالت نے سابق وزیر اعظم کی وہ تمام جائداد بھی ضبط کر لینے کا حکم دیا ہے، جو انہوں نے سرکاری خزانے سے غبن کے ذریعے بنائی تھی۔

امیر عباس ہویدا نے اسلامی انقلابی عدالت کے سامنے اپنے بیان میں تسلیم کیا کہ انہوں نے ایران کو سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے تباہ کیا اور نوجوانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور درخواست کی جن لوگوں پر میرے دور میں تشدد ہوا، میں ان سے معذرت خواہ ہوں میری خواہش ہے کہ میرے ہم وطن مجھے معاف کر دیں، میں خدا سے بھی اپنے گناہوں پر معافی کا خواستگار ہوں۔

ہویدا کے خلاف مقدمے کی سماعت گذشتہ ماہ شروع ہوئی تھی جو عالمی احتجاج کے باعث چند روز بعد ملتوی کر دی گئی، لیکن چند روز بیشتر مقدمات چلانے کے نئے ضوابط کا اعلان کیا گیا جس کے تحت یہ طے پایا تھا کہ ایران میں سیاسی جرائم کی سزا موت ہوگی۔ ۷ اپریل کو سابق وزیر اعظم کے مقدمے کی کارروائی پھر شروع ہوئی جو ایک ہی روز میں مکمل کر لی گئی، یہ کارروائی ساڑھے پانچ گھنٹے جاری رہی اور فیصلہ کے ایک گھنٹہ بعد سزا پر عملدرآمد کر دیا گیا۔

ان کی سزائے موت پر عمل در آمد کے طریقۂ کار پر ایک دفعہ پھر عالمی سطح پر احتجاج کی لہر اٹھی جس کے جواب میں ایران کے مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی نے وضاحت کی کہ ان لوگوں نے ایرانی عوام کے خلاف ہولناک جرائم کا ارتکاب کیا ہے بلکہ بعض افراد ان میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے پچاس سال تک قوم کو دھوکے میں مبتلا کئے رکھا۔ ان کا محاسبہ ضروری ہے۔

ایران کو اسلامی جمہوریہ قرار دئے جانے کے بعد جناب آیت اللہ خمینی نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ امریکہ کو ان اقدامات سے کافی تکلیف ہوئی ہے، انھوں نے وضاحت سے کہا کہ امریکہ ایک سازش کے ذریعہ موجودہ حکومت کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے کردستان اور ترکمان کے فوجی مظاہرے اس تشویش کو تقویت پہنچاتے ہیں، موجودہ اسلامی اصلاحات سے کرد بھی خوش نہیں ہیں۔ ایران کے جنوب مغربی سرحدی قصبے اردبیل میں بے اطمینانی کی فضا محسوس کی گئی، یہ قصبہ روسی سرحد سے متصل ہے، جناب آیت اللہ خمینی نے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایرانی عوام کی صفوں میں انتشار کوئی اچھا شگون نہیں ہے، اس سے انقلاب کے مقاصد تکمیل پذیر نہیں ہوں گے۔ وزیر اعظم مہدی بازرگان نے اقلیتی گروہوں کو یقین دلاتے ہوئے کہا ہے کہ نئی جمہوریہ انھیں مساوی حقوق دے گی۔

ایران میں ریفرنڈم کے کامیاب نتائج کے بعد ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کا وجود ختم ہو گیا، ایران کے نائب وزیر اعظم امیر عباس انتظام نے کہا ہے کہ ایران کے نئے آئین کا مسودہ تیار کر لیا گیا ہے اور عنقریب لوگوں کی آراء معلوم کرنے اور ترامیم وغیرہ کے لئے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ چند ہنگامی ضابطے وضع کر لئے گئے ہیں، جن کی رو سے حکومت نے خصوصی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کے لئے ان کی منظوری دے دی ہے۔ معزول شاہ ایران پر مقدمہ ان نئے ضابطوں کے تحت عمل میں آئے گا جن افراد پر جرم ثابت ہو جائے گا انھیں سزائے موت دی جا سکے گی۔ مالیاتی امور اور بنکاری نظام کے سلسلے میں جناب آیت اللہ خمینی نے قم کے بنک ملازمین کے ایک وفد کو دوران ملاقات بتایا کہ بنک ابھی تک سود وصول کر رہے ہیں جبکہ اسلام میں سود کی ممانعت ہے۔ انھوں نے بنکاری کے موجودہ نظام پر تنقید کرتے ہوئے کہا یہ پورا نظام اصلاح طلب ہے۔

افغانستان کا اپنے شہریوں کو واپس لینے سے انکار!

حکومتِ ایران نے کابل کے ان الزامات کو مسترد کر دیا جن میں کہا گیا تھا کہ ایران، افغانستان کے معاملات میں مداخلت کر کے گڑبڑ کا باعث بن رہا ہے۔ نائب وزیر اعظم جناب امیر عباس انتظام نے کہا ہے کہ حکومتِ ایران، افغانستان کے حکمرانوں کے ان غلط الزامات کے خلاف شدید احتجاج کرتی ہے۔ ایران کے ایک سفارتی نمائندے کو گزشتہ ماہ افغانستان سے اس الزام کی بنیاد پر نکال دیا گیا تھا کہ حکومتِ ایران افغانیوں کے بھیس میں فوجی داخل کر رہا ہے۔ انھوں نے اس بات کی تردید کی کہ ایران نے افغان علاقے میں کوئی فوجی داخل کئے ہیں۔ یاد رہے کہ اس وقت ایران میں کوئی دس لاکھ کے قریب افغانی مزدور و ملازمت پیشہ افراد مقیم ہیں جنھیں واپس جانے کو کہا گیا ہے۔ جناب امیر انتظام نے ایرانی بلوچستان کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ وہاں ایک بڑی طاقت کی شہ پر غیر ملکی ایجنٹ اور انقلاب دشمن عناصر سازشوں میں مصروف ہیں، لیکن حکومت ان سے بے خبر نہیں ہے۔

روسی مشیر پھانسی پر لٹکا دیے گئے!

افغانستان سے آنے والی اطلاعات کے مطابق مشرقی افغانستان میں ہرات کے عوام اور افغانستان کی مسلح افواج کے درمیان جھڑپیں جاری ہیں۔ اسی دوران میں روس کے نائب وزیر دفاع اور فوج کے سیاسی شعبہ کے سربراہ جنرل الیکسی ایلزوچ کابل کا دورہ کر چکے ہیں۔ وہ افغانستان کی اندرونی صورت حال کا جائزہ لینے آئے تھے۔ اسی سلسلے میں گزشتہ روز انھوں نے افغانستان کے صدر ترہ کی سے ملاقات کی۔ اس موقع پر افغانستان کی مسلح افواج کے سیاسی امور کے صدر مسٹر ایم اقبال اور چیف آف دی آرمی سٹاف میجر یعقوب بھی موجود تھے۔ کابل ریڈیو نے اس ملاقات کو دوستانہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں باہمی دلچسپی کے امور زیر بحث آئے۔

اقتدار کو تحفظ دینے کا مسئلہ

سیاسی مبصرین اس بات سے خوب واقف ہیں کہ افغانستان اور روس کی باہمی دلچسپی کے امور آج کل کیا ہیں۔ روس کو افغانستان میں ایک اقلیتی اور لادین گروپ کو ایک خونی انقلاب کے ذریعے برسر اقتدار لانے کے بعد اس کے اقتدار کو تحفظ دینے کا مسئلہ درپیش ہے کیونکہ وہاں اسلام پسند طبقے کی مزاحمت کے باعث ترہ کی اقتدار کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اس "خطرے" کے سدباب کے لئے پہلے تو افغانستان کی انقلابی حکومت نے اپنے وسائل صرف کر دئے جن میں روس سے مالی اور فوجی امداد بھی شامل ہے۔ اس کے باوجود مجاہدین کا جذبہ سرد ہونے میں نہ آیا تو صدر ترہ کی، ان کے معاون روس نے اس کا الزام افغانستان کے پڑوسیوں کو دینا شروع کیا۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق اب کابل اور ماسکو اسلامی قوتوں کے مقابلے میں شکست کھانے کے بعد، ان کا ذمہ دار چین، پاکستان

ایران اور مصر کو ٹھہرا رہے ہیں جس کا مطلب تیو جا لکنا نیوز ایجنسی کے الفاظ میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ روس دیگر ممالک پر افغانستان میں مداخلت کا الزام لگا کر اپنی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے، ایجنسی کے مطابق افغانستان میں گڑبڑ کے بہانے وہ افغانستان پر اپنا تسلط اور مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

شدید ترین داخلی بحران

افغانستان کی ماسکو نواز حکومت جنگجو قبائلی باغیوں کے ساتھ برسرپیکار ہے، اپریل ۱۹۷۸ء کے بعد سے اب تک ترہ کی حکومت شدید ترین داخلی بحران سے دوچار رہی ہے جس کا ثبوت کابینہ کی حالیہ تبدیلیوں سے عیاں ہے کمیونسٹ حکومت کے خلاف چھاپہ مار لڑائی میں شدت آتی جا رہی ہے اور افغانستان کے اہم علاقوں سے جنگ کی خبریں برابر موصول ہو رہی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے حکام مسلم قبائلیوں کے نرغے میں آ چکے ہیں، ہرات سے قندھار کو جانے والی شاہراہ پر متعدد پلوں کو اڑا کر باقی علاقوں سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے ان میں سے ایک اہم پل فرح روڈ پر واقع تھا جسے مجاہدین نے ڈائنامیٹ سے اڑا دیا ہے، ہرات کا ٹیلیفون لنک کابل سے کاٹ دیا گیا ہے، لڑائی کی شدت کا اندازہ لگایا نہیں جا سکتا ترہ کی اور اس کا معاون سوویت یونین مجاہدین آزادی کی پے در پے کامرانیوں سے بوکھلا کر پاکستان اور ایران پر مداخلت کا الزام لگا رہے ہیں، روسی حکمت عملی کے ترجمان اخبار پراودا نے پاکستان کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے اپنی ایک اشاعت میں کہا کہ "پاکستان کی ایسی دور اندیشی پر مبنی نہیں ہے، اب جبکہ موسم سرما اختتام پذیر ہو چکا ہے اور دشوار گزار راستوں پر سے برف پگھل چکی ہے افغان مجاہدین کی سرگرمیاں اور بڑھ جائیں گی

افغان مسلم مجاہدین اس وقت ملک کے بیشتر حصوں میں برسرپیکار ہیں پے در پے ناکامیوں نے سرکاری فوجوں کے حوصلے پست کر دیئے ہیں ذرائع اور سمنگان کی خونی جھڑپوں کے بعد افغان مجاہدین نے کیتہ کے سرکاری کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ یہ کیمپ ارزگان کے علاقے میں واقع ہے، کابل کے اردگرد مجاہدین کا حصار تنگ ہوتا جا رہا ہے کابل کی نئی حکومت نے نئے سیکورٹی قوانین وضع کئے ہیں ایک اعلامیہ کے مطابق حکومت نے کابل میں موجود غیر ملکیوں کو انتباہ کر دیا ہے کہ وہ شہر کے اردگرد ۲۰ میل دور تک نہ جائیں۔

روس کے لئے دو راستے

عوام کے جوش و خروش کے آگے شاہ ایران اور بھٹو جیسی مقتدر و مستبد شخصیات نہ ٹھہر سکیں عوام کا یہی جذبہ اب افغانستان میں کارفرما ہے، اس سے نہ صرف ترہ کی حکومت، بلکہ اس کا معاون سوویت یونین بھی پریشانی کا شکار ہے۔ اگر قبائلی جدوجہد اسی طرح کارفرما رہی تو کابل میں موجود روسی کٹھ پتلی حکومت شدید بحران سے دوچار ہو سکتی ہے، اب روس کے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں وہ اپنے

اتحادی ترہ کی کو منہ کے بل گرنے دے یا پھر روسی فوجی اعانت سے اسے سہارا دے۔ اپنے حلیفوں کی نظر میں روس کا فوجی تعاون ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ انگولا، ایتھوپیا کیوبا، ویت نام اس کی واضح مثالیں ہیں۔ افغانستان کی موجودہ کمیونسٹ حکومت افغان مجاہدین آزادی کے سامنے مسلسل سپر انداز ہو رہی ہے لیکن روس کی فوجی حکمت عملی کے نزدیک یہ صورت حال تشویشناک ہے مزید روسی مشیر اور جنگی ساز و سامان افغانستان کو بھیجا جا سکتا ہے۔ لیکن اس بات سے متعدد مسلم ممالک میں اور خود افغانستان کے لاکھوں مسلمانوں میں شدید رد عمل ہو گا۔

افغانستان میں موجودہ خانہ جنگی جتنی بڑھے گی روس اور کابل کی رہی بھی اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ ابھی سے کہا جانے لگا ہے کہ ان گوریلا سرگرمیوں کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ ہے جبکہ پاکستان کے دفتر خارجہ کے ترجمان نے اس کی مکمل تردید کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان مداخلت نہ کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کی آزادی و سالمیت کا سب سے بڑا حریف وہی عالمی دیو ہے جو فوجی مشیروں کے بہانے اس سرزمین پر اپنے فوجی اتار رہا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے روس کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بلاواسطہ طور پر افغانستان کے مسائل میں الجھنے سے احتراز برتے، کیونکہ اس سے خانہ جنگی کو مزید ہوا ملے گی۔ ایک مبصر کے مطابق روسی اس وقت افغانی چیتے کی پشت پر سوار ہیں، وہ اترنے سے بھی خوفزدہ ہیں اور اس بات سے بھی لرزاں کہ وہ کہاں جا کر ٹھہرتا ہے۔ خونی

انقلاب کے بعد روس ہی وہ پہلا ملک تھا جس نے ترہ کی کی حکومت کو تسلیم کیا اور بعد ازاں ان دونوں ممالک کے مابین ایک بیس سالہ معاہدہ دوستی طے پایا۔

روسی مشیر روسی امداد اور روسی اسلحہ بڑی تیزی سے کابل پہنچایا گیا اور اس کی مدد سے صدر ترہ کی نے فوج، پولیس اور بیوروکریسی سے مخالف عناصر کو چن چن کر ختم کر دیا تاکہ معاشرے، اقتصادیات اور تعلیمی نظام کو مارکسی بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔ بیرحمانہ اقدامات کا سہارا لیتے ہوئے قتل و غارت اور قید و بند کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی کی استعداد کار دب کر رہ گئی۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ کوئی بھی مرکزی حکومت حریت پسند پٹھان، ازبک، ہزارہ، ترکمان اور بلوچی قبائل کو زیر نگیں رکھنے میں ناکام رہی

آخری وار کی تیاریاں

افغانستان میں ریلوے نظام کا کوئی وجود نہیں ہے البتہ چند سڑکیں ملک کے بعض علاقوں کو آپس میں مربوط رکھتی ہیں قبائلیوں کی روایات اور ہمدردیاں جس کے ساتھ ہوں گی وہی حکمران کامیاب رہے گا۔ ترہ کی روایتی نظام زندگی کا مخالف ہے کیونکہ وہ ایک انقلابی ہے، اس نے بلا سوچے سمجھے ہر چیز کو ہر جگہ بدلنا چاہا، غیور قبائل اس طرز عمل کو برداشت نہ کر سکے مسلح تصادم کے نتیجے میں افغان فوجیوں کے ساتھ ساتھ روسی مشیر اور منتظم بھی پکڑے گئے جنہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ خونی جھڑپوں کے دوران میں بہت سے مقامات پر پلوں اور پہاڑی سرنگوں کو مجاہدین نے بارود سے اڑا دیا، سنگلاخ پہاڑوں میں افغان مجاہدین کا مقابلہ کرنے کیلئے روسی بکتر بند گاڑیاں اور ہیلی کاپٹر فراہم کئے لیکن وہ جذبہ حریت کو کچلنے میں ناکام رہا۔

شبنم سبحانی

غزل

فصلِ گل آئی گریباں چاک ویرانے چلے
زخم پھر کھلنے چلے، ابر پھول برسانے چلے
پاؤں میں زنجیر، دل زخمی، زباں تشنہ ہوئی
اک فسانہ بن گئی زنداں میں دیوانے کی موت
کل جو اذنِ باریابی تھا، غریبانِ وفا
چند فرزانے کہ جن سے تھی حرم کی آبرو
ڈھل گیا اک گردشِ ساغر میں سارا میکدہ
اب تو اس زنجیر و زنداں سے بھی دل اکتا گیا
رہگذاریں کانپ اٹھیں، منزلوں کے ہوش اڑے

چارہ سازانِ خرد زنجیر پہنانے چلے
ہم وفا کی داستاں اس طرح دہرانے چلے
کس ادا سے سوئے منزل آج دیوانے چلے
مدتوں تک دل کے خوں ہونے کے افسانے چلے
اور کیا تھا بس کہ خونِ دل کے نذرانے چلے
تجھ سے عاجز ہو کے یہ واعظ بھی میخانے چلے
آج اس انداز سے محفل سے بیگانے چلے
اب تو ہم دار و رسن سے جی کو بہلانے چلے
آج اس جوشِ یقیں سے تیرے فرزانے چلے

عشق کی سرمستیاں ہوں یا جنوں کے ولولے
آپ بھی شبنم غزل میں وعظ فرمانے چلے

لکھنؤ سے محترم نسیم صاحب کا مکتوب

انصار احمد فلاحی کے نام

عزیزم انصار احمد فلاحی! سلام مسنون بہت کیا آپ کے رسالہ "حیات نو" کی اطلاع آپ کے خط سے ملی، اللہ آپ کو ہمت بھی دے اور رسالہ نکالنے کی حکمت بھی عطا کرے۔

میں انشاء اللہ جس حد تک وقت ملا اور قلم نے ساتھ دیا آپ کا قلمی ساتھ دوں گا ـــ لیکن کچھ دنوں ٹھہر کر، اچھا ہو کہ آپ کا پہلا شمارہ نکل جائے تو پھر اس میں کچھ لکھا جائے۔ یوں کوئی اچھی چیز نہیں بھیجی جا سکتی، فی الحال چند باتیں "حیات نو" شروع کرنے سے پہلے ہیں اس کے لئے آپ کی یادداشت کے لئے کچھ کارآمد چیزیں یہ ہیں:-

یہ رسالہ آپ کیوں نکالیں؟ ـــ جب تک آپ کے ذہن میں اس سوال کا جواب نہ ہو رسالہ یں یوں ہی سا نکلے گا، گھسٹ گھسٹ کر چلے گا اور آپ کے ڈھیلا پڑتے ہی مر جائے گا، پہلے عام پڑھنے والے چاہے وہ آپ کے ساتھی طلبہ ہوں یا عام نوجوان ان کی کسی ضرورت، کسی کمی کو سامنے رکھئے (جو بھی کمی یا ضرورت ہو) پھر سوچئے کہ آپ اس رسالہ کے ذریعہ وہ کمی پوری کر سکتے ہیں، اگر ہاں تو کس حد تک اور کس طرح (مثلاً) اگر ادبی یا علمی رسالہ ہے تو اصل کمی آج کے پرچوں کی یہ ہے کہ ان کے سامنے بجز کمانے کے اور کوئی مقصد نہیں ہوتا، آپ اگر اپنا رسالہ علمی و ادبی بنائیں تو ابتدا سے اس کا تعارف ایسا ہی ہو، نئے اور پرانے ادبی رجحانات سے ابتدا سے واقفیت تنقیدی مضامین سے پہلے تنقید کیا ہے، ادب کیا ہے، تنقیدی اصول کیا ہیں؟ ادبی نظریات کیا ہیں؟ غرض ایسے ہی ہر موضوع پر اپنے پڑھنے والے کے لئے یہ فرض کر لیجئے کہ وہ بالکل ابتدائی باتوں سے شروع کرنا چاہتا ہے ـــ گویا آپ اسے کسی موضوع پر غور کرنے یا نتیجہ نکالنے سے پہلے اس موضوع سے درجہ بدرجہ متعارف کرائیں اور پھر اسے دوسرے اسٹیج تک لائیں، یہ بات آجکل ایک بھی ادبی یا علمی پرچہ نہیں کر رہا ہے، ساری کوشش قاری کے سامنے نیا اور اعلیٰ سطح کا مواد پیش کرنے کی ہے اسے (Educate

کرکے (یعنی ذہنی تربیت کرکے) اسے اس مواد کو فائدہ اٹھانے کے قابل بنانے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی جاتی ۔۔ جدید شاعری یا جدیدیت پر تنقیدی مقالات آنے لگتے ہیں، مگر جدیدیت کس چیز کا نام ہے، جدید غزل کسے کہتے ہیں بلکہ غزل کیا ہے؟ اس کا بھی واضح کرنا آج کی تعلیمی جہالت کے ماحول میں ضروری ہو گیا ہے، اسے ہم سب بھول جاتے ہیں۔

ایسے ہی علمی یا سائنسی مضامین کسی ماہر فن کی دلچسپی یا تبصرہ کی چیز تو ہوتے ہیں مگر ایک عامی layman کو اس میں سے کچھ نہیں ملتا۔ حیات اور کائنات کے بارے میں گہری باتیں بتانے سے پہلے یہ بھی تو ضروری ہو جاتا ہے کہ پڑھنے والا یہ تو جانتا ہو کہ یہ حیات اور کائنات کے علم میں کون کون سے اور ان میں کن باتوں سے بحث ہوتی ہے، کیا معلوم کرنے اور جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سے کیا نتیجے نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے، غرض ہر رسالہ آج اپنے ہر پڑھنے والے کی انگلی تھامے اسے قدم قدم لے کر چلے یہ ہے آج کی ضرورت۔

غزلوں، نظموں، نثری مضامین، افسانوں سب کی تھوڑی بہت ضرورت ہے، مگر گھسے پٹے اور روایتی طریقے سے نہیں۔ آپ ہر مرض کی دوا دیجئے کوئی اعتراض نہیں، مگر ہر دوا کے ساتھ غذا پرہیز ترکیب استعمال بھی ہو۔

یہ لیجئے خط خود ایک مضمون بن گیا۔ ع

تصور رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے

اب آئندہ خط (یا مضمون) تک کے لئے اجازت دیں۔ ساتھیوں کو سلام اور مناسبات۔

آپ کا

م۔ نسیم

ادارۂ ادب کیمپ ۲۳۲ یحییٰ گنج لکھنؤ ۳۰۰۲۲

جامعہ کے روز و شب

ترتیب: نور محمد فلاحی

گورکھپور ڈویژن کا سہ روزہ اجتماع!

۱-۲-۳ جون کو جماعت اسلامی گورکھپور ڈویژن کا سہ روزہ اجتماع جامعۃ الفلاح میں منعقد ہو رہا ہے، جس میں مولانا سید حامد علی صاحب، مولانا افضل حسین صاحب قیم جماعت، مولانا عروج قادری صاحب ایڈیٹر زندگی، مولانا یوسف اصلاحی ایڈیٹر ذکریٰ رامپور اور دوسرے مرکزی و صوبائی ذمہ داران اور جملہ نظمائے ڈویژن گورکھپور شریک ہو رہے ہیں۔ اگر موقع ملا تو امیر جماعت اسلامی ہند بھی شریک ہوں گے۔ ناظم اجتماع مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی بنائے گئے ہیں۔ اس اجتماع میں نوجوانوں اور طلبہ کا پروگرام بھی ہے جس میں خطاب کرنے کیلئے محترم م۔ نسیم صاحب کو دعوت دی گئی ہے۔ خواتین کا بھی خصوصی پروگرام ہے جنھیں خطاب کرنے کیلئے کانپور سے محترمہ حقیر بیگم نیازی صاحبہ تشریف لا رہی ہیں، توقع ہے کہ یہ اجتماع کامیاب ہوگا۔

بدر جمال اصلاحی

خطِ نستعلیق (خطِ فارسی)

تاریخی پس منظر، حسن و لطافت، ایجاد، معنی اور خصوصیت

تاریخی پس منظر

خطِ نستعلیق کا مولد و منشا ایران ہے — ایران جہاں کئی تہذیبیں پروان چڑھیں اور مٹیں، کئی زبانیں اور کئی رسم الخط رائج ہوئے اور یہ وہ فنا ہیں یا چھپ گئے۔ آج سے پانچ ہزار سال قبل ہخامنشی دور میں یہاں پیکانی رسم الخط رائج تھا جس کے نشانات آج بھی کوہ بیستون پر ملتے ہیں، پھر اکادی، اسمیری اور بابلی رسم الخطوں کا زمانہ آتا ہے، اس کے بعد سُغدی رسم الخط کا رواج ہوا جو توران اور ایران کے کچھ حصوں میں رائج ہوا اور پھر تاتاری تاخت و تاراج کے سبب ختم ہو گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا تو یہاں اسلامی تہذیب کو پھیلنے کا موقع ملا۔ ساسانی حکومت کے ساتھ ہی ساسانی تہذیب بھی رخصت ہوئی، ہر چیز میں عربی اسلامی اثرات نفوذ کرنے لگے، فارسی زبان میں کثرت سے عربی الفاظ داخل ہونے لگے اور پہلوی رسم الخط کے بجائے عربی رسم الخط میں لکھنا فیشن ہو گیا، ایک صدی کے اندر ہی پورے طور پر فارسی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی۔

قدیم زمانے سے ایران کے لوگ لطیف ذوق کے مالک ہیں۔ یہاں کی زبان اور ان کا رسم الخط بھی خوبصورتی اور نزاکت میں بے نظیر تھا، فارسی زبان میں جو عربی الفاظ داخل ہوئے ان میں بھی سلاست اور حسن پیدا ہو گیا۔ یہی حال رسم الخط کا ہوا۔ عربی رسم الخط (کوفی اور نسخ) جن میں پہلے پہل فارسی زبان لکھنے کا رواج ہوا تھا کچھ عجب کھردرا اور بھدا تھا جو ایرانیوں کی طبع نازک پر گراں رہا۔ وہ برابر اس فکر میں رہے کہ اپنے لطیف مزاج اور اپنی خوبصورت زبان کے مطابق عربی رسم الخط کو تراش کر لطیف اور خوبصورت بنا لیں۔ اسی احساس کا نتیجہ خطِ نستعلیق (خطِ فارسی) ہے جس میں بے پناہ لطافت و نزاکت ہے، کوئی بھی خط زیبائی و رعنائی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خط نستعلیق کی خوبصورتی اور لطافت

خط نستعلیق کے حسن و نزاکت کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے بہت ٹھہر ٹھہر کر لکھا جائے اور لکھنے پوری مہارت بہم پہنچائی جائے۔ بقول منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی کہ "دیگر خطوں ثلث و نسخ و رقاع و شکستہ وغیرہ کا لکھنا اگر صنعت سوہانی ہے تو خط نستعلیق کا لکھنا صنعت مو شگافی ہے[1]۔"

یہ خط عروس الخط کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے اگرچہ دوسرے خطوں میں بھی بے پناہ حسن ہے، مگر خط نستعلیق کی دلکشی حیرت انگیز ہے۔ مصوری کا جواب اگرچہ تمام ہی خطوط عربیہ ہیں مگر جو بانکپن اس کے حصے میں آیا وہ کسی اور خط کو نہ مل سکا۔

اس کے حرفوں میں شعراء کو محبوب کا پرتو نظر آتا ہے۔ اسی کے "الف" کو انھوں نے قد یار سمجھا تو "ص" میں انھیں چشم سرگیں کا حسن نظر آیا، اس کے "ل" پر انھیں زلف عنبریں کا دھوکا ہوا تو "م" پر جعد مشکیں کا۔ "ج" کا دائرہ ان کے لئے چہرۂ ابرو کا جواب بنا تو "ط" کی دو رائے متصل کو انھوں نے ابرو شمار کیا۔ دندانہ ہائے سین میں گوہر دنداں کی چمک دکھائی دی تو "م" کا زولہ ساق سیمیں کا جواب بنا۔ "ر" دیرہ ہائے عین و غین ان کیلئے چشم بصیرت۔ "ق" و "ف" کی گردن شاہدان سرکش کی گردن سے مشابہ ہے تو "ش" کی کشش خط خوشرویاں کی مثال، نقاط مردمک دیدۂ مردم فریب۔ "ہ" حلقۂ ناف۔ "لا" رشک ستابہ و وسطی۔ مرکز تیر مژگاں کا بدل۔

اسی طرح ہتھیاروں میں:۔

نوک سناں و راستی صیف "ا" میں۔ خم و نوک تیغ "ب" میں دامن سپر کا دور دوائر میں کمان کا جھکاؤ اور شمشیر کا گھماؤ کشش "س" میں "م" کی گھنڈی سپر گرز میں "ہ" کے حلقے حلقہ ہائے زرہ میں اور تیر و تبر کی نوکیں ہر حرف کی ابتدا و انتہا میں ناقابل فراموش ہیں[2]۔

اس خط کی ایجاد

اس خط کو کس نے ایجاد کیا اس کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں ہو سکا۔ کچھ ماہرین کی رائے ہے کہ اسے کسی ایک آدمی نے وضع نہیں کیا۔ بلکہ بتدریج یہ خط بنتا رہا تقریباً یہی رائے علامہ ابو الفضل کی بھی ہے[2]۔

خواجہ میر علی تبریزی

بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ اس خط کا موجد خواجہ میر علی تبریزی[3] ہے جس نے آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں اس خط کو ایجاد کیا۔

---

[1] اعجاز رقم

[1] تعلیم خط والا از ممتاز حسین جونپوری۔

[2] دیباچہ مرقع بادشاہی

[3] خواجہ میر علی تبریزی، امیر تیمور المتوفی ۸۰۷ھ اور ایرانی شاعر کمال خجندی کا ہم عصر تھا۔

نذرِ شاعر

(ایران میں اسلامی انقلاب کے علمبرداروں کو)

سید عبدالباری شبنم سبحانی
معرفت محمد محمود دواخانہ
سامبل پور

۱۰؍ اپریل ۱۹۸۰ء

برادرم! سلام مسنون۔

خط ملا۔ ایک نظم اور ایک غزل پیش کر رہا ہوں۔ مدت ہوئی کہ یہ مشاغل ترک کر چکا تھا اور آج کئی سال بعد کسی رسالہ یا اخبار کو اشعار بھیجنے کے تکلیف دہ عمل کو آپ جیسے عزیزوں کی خاطر گوارا کرنا پڑا۔

ہم لوگوں کا رسالہ انشاء اللہ ۵، ۶ ماہ میں کوشش ہے کہ نکل آئے کامیابی کے لئے دعا کریں۔ آپ کا اخبار ابھی نہیں ملا، ملنے پر تاثرات لکھوں گا۔

سیاسی مسائل پر اظہار خیال کی کافی گنجائش ہے، مگر آج کل ایک دوسرے کام میں مصروف ہوں۔ تین چار ماہ بعد اس کے لئے وقت نکال سکوں گا، امید ہے کہ آپ لوگ ہمت اور حوصلہ سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔ اس وقت ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع اسلام اور اسلامی نظام اور اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ہمیں ان کی کوششوں کو اپنی جد وجہد کو ناکام بنانا ہے، آپ جیسے نوجوان اگر میدان فکر و عمل میں سرگرم رہے تو یہ کوئی ناممکن امر نہیں۔

والسلام
خیر اندیش
شبنم سبحانی

خواجہ صاحب کے شاگرد سلطان علی مشہدی فرماتے ہیں :-

وضع فرمود او ز ذہن دقیق — از خط نسخ و ز خط تعلیق
نسخ و تعلیق گر خفی و جلی ست — واضع الاصل خواجہ میر علی ست

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواجہ میر علی تبریزی خط کے اس کے موجد نہیں ہیں، ان سے بہت پہلے کے بھی اس خط کے نمونے دستیاب ہیں ۔ البتہ خواجہ صاحب نے اس خط کو کمال تک پہنچایا اور بہت سی اصلاحات کیں درحقیقت خواجہ صاحب کو اس بات کی دھن اور لگن تھی کہ وہ ایک ایسا خط بنائیں جو حسن و نزاکت میں ایرانیوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہو، چنانچہ ایک رات خواجہ صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت علی تشریف لائے ہیں اور حسن خط کے متعلق ضروری اشارے دے رہے ہیں ۔ اس تلقین و اشارے کو بنیاد بنا کر خواجہ صاحب نے اپنے ذہن رسا سے خط کو بہت خوبصورت بنا دیا ۔

نستعلیق کے معنی

ایران میں اسلام کے غلبے کے بعد ابتدائی دور میں دو خط رائج ہوئے ایک علمی خط "نسخ" دوسرا عام زود نویسی کا خط "تعلیق" چونکہ انھیں دونوں خطوں کی بنیاد پر اس دلکش خط کی ایجاد ہوئی اس لئے اس کا نام نستعلیق پڑ گیا، یعنی وہ خط جو "خط نسخ" اور "خط تعلیق" کا مرکب ہے ۔

خط نستعلیق کی دلکشی، صفائی اور حسن کی وجہ سے لفظ نستعلیق بطور محاورہ بھی فارسی اور اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے مثلاً "نستعلیق حرف زدن" "نستعلیق گفتن" یعنی "الفاظ کو ان کے صحیح مخارج کے ساتھ ادا کرنا اور کتابی عبارت میں گفتگو کرنا" محمد سعید اشرف کہتا ہے :-

ز نستعلیق گو، یاقوت لب، ریحانِ خط مارا
کہ از انگشت شہادت می کشد خط بر غبارِ من

خط نستعلیق کی خصوصیت

دلکش و دیدہ زیب ہونے کے علاوہ خط نستعلیق کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ من حیث الخط جامع و مانع ہے، اس میں تعلیق، شفیعہ اور شکستہ کی زائد لکیریں نہیں، اختصار کے لحاظ سے یہ خط یک گونہ شارٹ ہینڈ ہے

انھیں خصوصیات کے باعث یہ خط صدیوں ایران، ہندوستان، افغانستان اور توران (روس) کا قومی خط رہا اور آج بھی ایران، پاکستان اور افغانستان کا قومی خط برقرار ہے، لیکن افسوس کہ بھارت اور توران (روس) سے اسلامی تہذیب کے ساتھ اس خط کو بھی جلاوطن کر دیا گیا ۔

اس خط کے عروج کا زمانہ ایران میں "صفوی دور" اور ہندوستان میں "مغل دور" ہے، ان خاندان کے بادشاہوں نے اس خط کے فنکاروں کی بڑی حوصلہ افزائی کی جس کا ذکر انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر کیا جائیگا ۔

ارضِ ایراں ترے گل رنگ نظاروں کو سلام
اے گلستانِ کہن تیری بہاروں کو سلام

جو خزاں میں بھی کھلاتے رہے زخموں کے گلاب
تیرے ان گل بدنوں لالہ عذاروں کو سلام

رقص شعلوں کا ہے مغرب کی کمیں گاہوں میں
اہلِ ایماں کی فراست کے شراروں کو سلام

پی گئے خندہ بہ لب ساغرِ زہرابِ ستم
تیرے مستوں، تیرے بادہ گساروں کو سلام

گر پڑا تاجِ شہی فرقِ ملوکیت سے
تیرے جانباز مہاجر کے اشاروں کو سلام

جن پہ تکیہ ہے مگر عظمتِ اسلام کا آج
ان دل آویز و فلک بوس مناروں کو سلام

غش میں ہیں پیرانِ کلیسا ہوں کہ دانائے فرنگ
تیرے ان سیلِ خود آگاہی کے دھاروں کو سلام

کس نے گل کاریٔ خونِ شہدا دیکھی ہے
تیرے کوچوں کو تری راہ گذاروں کو سلام

دم بخود گردشِ دوراں ہے، زمانہ حیراں
سرفروشی کے درخشندہ نظاروں کو سلام

پیش کرتے رہے بڑھ بڑھ کے لہو کی سوغات
شہریاروں کو، تری آنکھ کے تاروں کو سلام

تا سحر جو شبِ یلدائے ملوکیت سے
جنگ کرتے رہے ان چاند ستاروں کو سلام

توڑ کر رکھ دیا افرنگ کی جبروت کا سحر
کج کلاہوں کو ترے شاہسواروں کو سلام

یاد رکھے گا جہاں تیرے جوانوں کی ادا
خنجرِ بے خودیٔ عشق کے ماروں کو سلام

بقیہ: یہ کس کا خون بہا؟ صفحہ ۶۳ سے آگے

پھر سب کچھ حسب معمول ہو جاتا ہے۔

یہ صورت حال اب برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ ان فسادات کو روکنے کے لئے کسی سنجیدہ اقدام کے سلسلے میں ہمارے رہنماؤں کو ہی نہیں، ہم سب کو سوچنا ہوگا۔ یہ لگا بندھا دھرا آخر کب تک؟ آخر کب تک ہم جانے بیجانے کھلاڑیوں کے ہاتھوں شطرنج کے مہروں کی طرح پٹتے رہیں گے؟

گزشتہ ۱۴ اور ۱۵ اپریل ۷۹ء کو کشمیر میں تحریک اسلامی کے وابستگان کو آگ اور خون کے جس سمندر سے گذرنا پڑا اس کی تفصیلات انتہائی لرزہ خیز ہیں۔ کشمیری اخبارات کی رپورٹ کے مطابق تحریک اسلامی سے وابستگان کے تین ہزار سے زائد مکانات جلائے گئے، تحریک اسلامی کے متعدد وابستگان بڑے ظالمانہ طریقے پر شہید کئے گئے۔ لاتعداد ایسے لاپتہ ہیں جن کے بارے میں شبہ ہے کہ انھیں زندہ آگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ ایک ہزار کے قریب دکانیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ سیب کے باغوں کو کاٹ کر چٹیل میدان بنا دیا گیا۔ فصلیں تباہ کر دی گئیں۔ تقریباً ۱۵ گاؤں صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دئے گئے۔ لاٹھیوں، چھروں اور بلموں سے مسلح ہزاروں لوگوں کی بھیڑ نے ارون کو گھیر لیا، انھوں نے پہلے پل کو جلا دیا تاکہ کوئی فرار نہ ہو سکے۔ لوگوں نے جلتے ہوئے گھروں سے بھاگنے کی کوشش کی تو ان پر فائر کئے گئے، کئی لوگ دریا کے اندر ڈوب کر شہید ہو گئے۔ ... ۵ مکانات پر مشتمل اس بستی میں آج صرف آوارہ کتوں کا راج ہے۔ معصوم بچیوں کو برہنہ کیا گیا۔ بہنوں کو بھائیوں کے سامنے بے آبرو کیا گیا۔ پاک باز خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ حاملہ خواتین کے پیٹوں پر لاتیں ماری گئیں۔ بوڑھے اور ضعیف لوگ زندہ آگ میں جھونک دئے گئے۔ ننھے منے بچوں کو ماؤں کی گودوں سے چھین کر ناقابل بیان اذیتیں دی گئیں۔ تحریک اسلامی کے وابستگان کو بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ مساجد کو آگ لگائی گئی، قرآن پاک کے نسخوں کو ٹھوکریں ماری گئیں اور ان کو نذر آتش کیا گیا۔ اخباری جائزوں کے مطابق مالی نقصانات کا تخمینہ ۲۴ کروڑ سے متجاوز ہے۔

ان واقعات نے ہندوستانی مسلمانوں کا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔ درحقیقت انھوں نے جمشید پور جیسے فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف دہائی دینے کا اخلاقی جواز کھو دیا ہے۔ تحریک اسلامی کے وابستگان ہر ارضی و سماوی آفت میں تن من دھن سے مسلمانان ہند کی خدمت کرتے رہے ہیں، اسلام کو سربلند کرنے کی کوشش ان کا واحد جرم ہے جس کے لئے وہ اپنوں اور غیروں کے تمام ستم برداشت کرتے رہے ہیں، اسی جرم کی وجہ سے انھیں ایمرجنسی کی صعوبتیں سہنا پڑیں، معیشت کے دروازے ان کے لئے بند ہو گئے۔ ملازمتوں سے ان کو برطرف کر دیا گیا۔ اسلام کا نام لینے کے جرم میں انھوں نے ہر الزام، ہر دکھ اور ہر مصیبت کو گلے سے لگایا ہے اور اسی وجہ سے وہ تمام اسلام دشمن

غیر ملکی اداروں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا شکار بن گئے۔ ایسے مخلص اور خادم لوگوں کے خلاف اپنے ہی کچھ بھائیوں کا یہ رویہ۔ نہ صرف اسلام کے خلاف ہے، نہ صرف انسانیت کے خلاف ہے، بلکہ شرافت کے بھی خلاف ہے۔

ہم اسلام اور انسانیت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کے آنسو پونچھنے میں آپ ان کی ہر ممکن مدد کریں۔ کیونکہ یہ لوگ آپ کی ملت کا حاصل ہیں، آپ کی آبرو ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں بعض اردو اخبارات کے رویے کے خلاف بھی سخت احتجاج کرتے ہیں جنھوں نے بے بسوں کے جلتے ہوئے مکانوں سے اپنے ہاتھ تاپے ہیں۔ جنھوں نے مظلوموں کے خون سے اپنے چہرے سرخ کئے ہیں جن کی اشتعال انگیزی اور صریح دروغ گوئی پر مبنی تحریروں نے یہ آگ بھڑکائی ہے ان کا قلم مظلوموں کے سینے میں بھالے بن کر اتر گیا ہے۔ ان کی بھڑکائی ہوئی آگ ملت کی آبرو کو خاکستر کر گئی بیواؤں کی آہوں کا دھواں بن گئی، ان ہی کی سرخ روشنائی اسلام پسند جیالوں کا خون بن کر بہہ گئی۔ درحقیقت اس سارے قتل و خون کی واحد ذمہ داری معصومیت اور صحافت کا نقاب اوڑھے ہوئے ان چالاک طاقتوں پر ہی ہے جنھوں نے عوام کو گمراہ کر کے اپنے بینک اکاؤنٹس میں اضافہ کیا۔ جنھوں نے دانستہ خبریں گڑھیں منصوبہ بند جھوٹ بولے اور تحریک اسلامی کے نوجوانوں کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے دوسروں پر ایجنٹ ہونے کے الزامات لگائے لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ سرخ ہیڈنگ میں چھپنے والے یہ اخبارات خود ان اسلام دشمن طاقتوں کے وفادار ایجنٹ تھے جو ایشیا میں اسلام کو کچل دینا چاہتے ہیں، ان نام نہاد مسلم اخبارات نے اسلامی تعزیرات کو وحشیانہ کہا جزیہ اور ذمی جیسی اسلامی اصطلاحوں کا مذاق اڑایا اور اسلامی نظام معیشت کے سلسلہ میں غلط فہمیاں پھیلائیں، انھوں نے اسلام کے ہر خادم کو "ملا" کہہ کر عوام کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی۔ انصاف اور حق پسندی کی دہائی دینے والے یہ معصوم صحافی کشمیر کے قتل عام پر بالکل خاموش ہیں۔ درحقیقت واقعات نے اسلام دشمنوں اور اسلام دوستوں کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ ہم اردو پریس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ کشمیر کی خبروں کا یہ دانستہ بائیکاٹ ختم کرے اور اس سلسلہ میں صحیح حقائق کو منظر عام پر لا کر اپنا صحافتی فرض پورا کرے۔ وقتی منافع کی خاطر جذبات کے ابال کی تجارت صحت مند صحافت کے چہرے پر کلنک کا ایک ٹیکا ہے اور زیادہ دن تک اسے الفاظ کے حریری نقاب میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ مظلومین کشمیر کیلئے امداد کی یہ اپیل اور بعض اردو اخبارات کے سفاکانہ رویے کے خلاف یہ احتجاج ہم ذاتی طور پر کر رہے ہیں لیکن ملک بھر کے تمام انصاف پسند عناصر اور تحریک اسلامی سے وابستہ افراد سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس آواز کو موثر بنانے میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

(کارکنان اسلامک یوتھ آرگنائزیشن رام پور)